لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (القرآن)

تحقیق تمہارے (عمل) کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت بہترین نمونہ ہے

اصول سیرت نگاری

تعارف، ارتقاء، مأخذ و مصادر

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبۂ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

نام کتاب : اصول سیرت نگاری

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ (C"S-18" ایریا لیاقت آباد کراچی)

ناشر : مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

سنہ طباعت : اپریل ۲۰۰۳ء

قیمت : ۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے

۱ ...... مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ،
مکان نمبر ۱۹۲ سیکٹر ۸۔ ایل اورنگی ٹاؤن کراچی ۸۵۰۰
رابطہ نمبر 6659703

۲ ...... درخواستی کتب خانہ گرومندر کراچی

۳ ...... مکتبہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ورفعنا لک ذکرک
۱۴۲۴ھ

حمدِ باریٔ تعالیٰ
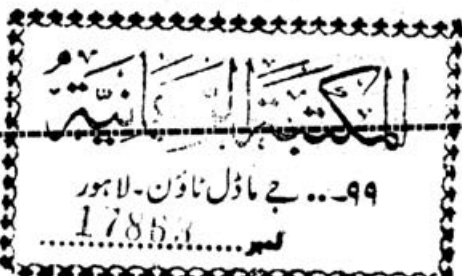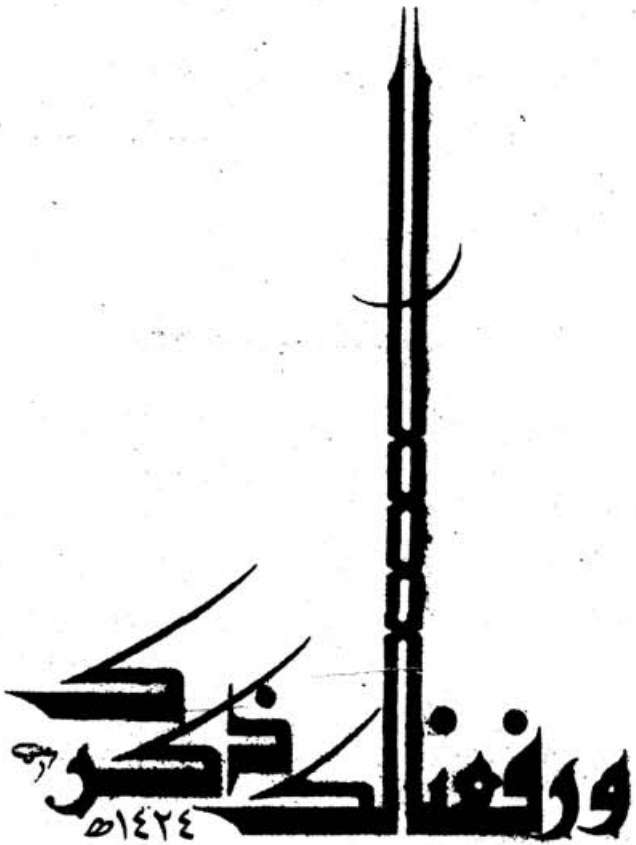
حاجت روا بھی تو ہے، مشکل کشا بھی تو ہے
خلاقِ دو جہاں ہے، سب کا خدا بھی تو ہے

روزِ ازل بھی تیرا شامِ ابد بھی تیری
ہر ابتدا بھی تو ہے ہر انتہا بھی تو ہے

دکھ درد میں تجھی کو مولا پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ہاں آسرا بھی تو ہے

تیری تجلیوں سے روشن ہیں ماہ و انجم
دنیا کی انجمن میں نور و ضیا بھی تو ہے

ہے چارہ ساز بھی تو اور کارساز بھی تو
آنکھوں کی روشنی ہے، دل کی دوا بھی تو ہے

توحیدِ باری کا ثمرہ

جس کی اللہ کی رحمت پہ نظر ہوتی ہے
زندگی اس کی امنگوں میں بسر ہوتی ہے

نام اللہ کا لے غم سے نہ گھبرا اے دل
ان دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے

پہلے کرتی ہے یہ اقرار "هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ"
پھر نسیمِ سحری گرمِ سفر ہوتی ہے

وہ دعا ہاں! وہ دعا جس میں یقیں شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محرومِ اثر ہوتی ہے

ہر طرف اس کے ہی جلووں کی ہے رونق ماہر
دل کی دھڑکن سے بھی تائیدِ نظر ہوتی ہے

فہرست مضامین

نواں اصول: علم آثار صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم ہیں ۱۸۰

دسواں اصول: علم رجال حدیث نبوی ﷺ ہے ۱۸۶

گیارھواں اصول: علم تاریخ ہے ۲۰۹

بارھواں اصول: علم تاریخ حرمین ھے ۲۴۴

تیرھواں اصول: علم جغرافیہ ھے ۲۶۱

پچیسواں اصول: علم التقویم والتوقیت ہے ۴۰۴

مصادر و مراجع ۴۰۸

حسن و جمال اور خصائل حمیدہ کے پیکر ﷺ

﴿نعت پیمبر ﷺ﴾

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

اے اللہ کے محبوبؐ! میری آنکھ نے آج تک آپؐ سے زیادہ حسین نہ دیکھا ہے (نہ دیکھے گی)

وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

اور کسی عورت نے آپؐ سے زیادہ جمیل بچہ پیدا نہیں کیا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

آپؐ کو ہر عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا ہے۔

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

گویا آپؐ کو خود آپؐ کی منشاء کے مطابق پیدا کیا گیا ہو۔

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا بَرًّا رَءُوْفًا

اے رسول ﷺ اللہ کے دشمن! تو نے برائی کی ہے، کس کی؟ محمد ﷺ کی، جو سرتاپا کرم اور نوازش ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ شِيْمَتُهُ الْوَفَاءُ

جس نے ہر ایک پر مہربانی کی ہے، جو اللہ کا رسول ہے، اور جس کی عادت پاک ہی وفا کرنے کی ہے۔

رَجَوْتُكَ يَابْنَ اٰمِنَةَ لِاَنِّي

اے آمنہ کے لال، میں نے تیری تمنا کی ہے۔

مُحِبٌّ وَالْمُحِبُّ لَهُ الرَّجَاءُ

میں محبت کرنے والا ہوں اور ہر محبت کرنے والے کی ایک تمنا ہوتی ہے۔

شاعر دربارِ نبوی ﷺ: حضرت حسان بن ثابتؓ

نعت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(بانی دارالعلوم دیوبند)

الٰہی کس سے بیاں ہوسکے ثنا اس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار ﷺ

تو بوئے گُل ہے اگر مثل گُل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمس نہار

حیاتِ جان ہے تو، ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ نورِ دیدۂ بیدار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے — کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ — کرے حضور ﷺ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مُشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

انتساب

میں اپنی اس کوشش و کاوش کو اپنے نانا اور والدین کے ایثار، محبت و خلوص کا ثمرہ سمجھتا ہوں، جنہوں نے ہر قسم کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اعلٰی تعلیم دلائی اور میرے اندر بھی ان صلاحیتوں کو بیدار و مہمیز کر کے اولوا العزمی کی راہ پر گامزن کیا۔ اس لئے میں اس کتاب کو اپنے نانا اور والدین کے نام منسوب کرتا ہوں۔

دعا گو ہوں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (الاسراء/۲۴)

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

استاذ و صدر شعبہ اسلامیات

قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد

قاسم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

مقدمہ

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا آئینہ

نہ دکان آئینہ ساز میں نہ نگاہ آئینہ ساز میں

انسان مادر اور روح سے عبارت ہے۔ انسان کے جسم کی نشو ونما، بقا اور ترقی کے لئے ہوا، غذا اور بہت سی مادی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کی بالیدگی، ترو تازگی اردو ترقی کے لئے روحانی آسودگی اور روحانی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح جسم اپنے موافق حالات میں توانا ہوتا اور اپنی ذمہ داریاں عمدگی سے بجالاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اپنا عمل مساعد ماحول میں مکمل کر پاتی ورنہ نہیں۔

خالق کائنات نے انسان کی مادی اور روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ایسے انتظامات فرمائے ہیں، جن کی موجودگی سے نہ صرف جسمانی ضروریات پوری ہوتی ہیں بلکہ انسان کی روحانی قدریں بھی پروان چڑھتی ہیں۔ میری مراد ''وحی اور نبوت'' سے ہے ابتداء آفرینش کے وقت انسان کے مسائل محدود اور سادہ نوعیت کے تھے، اس لئے احکام الٰہی بھی تھوڑے اور وقتی ہوتے تھے، لیکن انسانی شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسانی ضرورتوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا رہا، اسی طرح احکام خداوندی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام دیئے وہ انسان کی تمام

دینی و دنیاوی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور قیامت تک قابل عمل رہیں گے۔

آپ ﷺ کو قرآن کریم کی شکل میں علم کا ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک دنیا کو اپنے علوم کے ذریعہ مسحور کرتا رہے گا جس طرح آپ ﷺ جامع العلم و جامع الصفات ہیں، اسی طرح امت مسلمہ نے دیگر امتوں کے مقابلہ پر بہتر انداز میں اپنی نبی کی اطاعت کی۔

مسلمانوں کے علماء اور فضلاء نے ہر دور میں علوم وفنون کی اقسام اور ان کی تاریخ پر کتابیں لکھیں ہیں، ان میں اولیت کا شرف یعقوب بن اسحاق کندیؒ (م ۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) اور ابوزید سہل بلخیؒ (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء) کو حاصل ہے، جنہوں نے سب سے پہلے علی الترتیب ''کتاب فی اقسام العلم الانسی'' ''کتاب فی ماہیۃ العلم و اصنافہ'' اور کتاب فی اقسام العلم'' لکھیں۔ بدقسمتی سے یہ کتابیں آج کل ناپید ہیں۔ ان کے علاوہ کتابوں میں اس موضوع پر مندرجہ ذیل مصنفوں کی تصانیف کے نام ملتے ہیں:

۱۔ الفارابی (م ۳۳۹ھ/ ۹۲۹ء) احصاء العلوم
۲۔ محمد بن احمد یوسف خوارزمی (م ۳۸۷ھ) مفاتیح العلوم
۳۔ رسائل اخوان الصفاء (چوتھی صدی ہجری)
۴۔ ابن فریغون (م چوتھی صدی ہجری) جوامع العلوم
۵۔ ابن الندیم (م ۳۷۷ھ) الفہرست
۶۔ ابن سینا (م ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء) اقسام العلوم العقلیہ
۷۔ محمد بن خیر اشبیلی (م ۵۷۵ھ) فہرست مارواہ عن شیوخہ
۸۔ امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) حدائق الانوار فی حقائق الاسرار

اس کے بعد دائرۃ المعارف کی طرز پر لکھی جانے لگیں، مثلاً:

۱۔ النویری (م ۷۳۳ھ/ ۱۳۳۳ء) نہایۃ الادب فی فنون الادب
۲۔ القلقشندی (م ۸۲۱ھ/ ۱۴۱۸ء) صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء

متاخرین میں مندرجہ ذیل علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں ہیں۔

۱۔ طاش کوپری زادہ (م ۹۶۸ء/ ۱۵۶۱ء) مفتاح السعادۃ ومصباح الصیادۃ
۲۔ حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ء/ ۱۵۶۷ء) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون

۳۔ محمد اعلیٰ تھانوی (م بارھویں صدی ہجری) کشاف اصطلات الفنون
۴۔ نواب محمد صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) ابجد العلوم
۵۔ متاخرین کی تصانیف میں ممتاز ترین کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون ہے۔
۶۔ بروکلمان کی تاریخ ادبیات عربی
۷۔ فواد محمد سزگین کی تاریخ علوم اسلامیہ
۸۔ صلاح الدین کی دلیل مولفات الحدیث ﷺ القدیمہ والحدیثہ
۹۔ محمد ماہر حمادہ کی المصادر العربیۃ والمعربۃ
۱۰۔ کشاف الدوریات العربیۃ عبدالجبار کی
۱۱۔ صلاح الدین کی معجم ماالف عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم قابل ذکر ہیں۔

مؤخر الذکر کتاب میں سیرت طیبہ ﷺ پر ہونے والے کام کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ سیرت طیبہ کے ۱۲۳ پہلوؤں پر ہزاروں تصانیف کی شکل میں جو کام ہوا ہے اسے اس گلدستہ میں سجا دیا گیا ہے۔

اس فہرست سے سیرت کے ہر پہلو پر کام کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لیکن جو پہلو تشنہ ہے وہ سیرت کے ماخذ و مصدر اور اصول سیرت نگاری کا ہے۔ البتہ کچھ حضرات نے ضمنی بحث کے طور پر اپنی تصانیف ذکر کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ شبلی نعمانی نے اپنی سیرت النبی کے مقدمہ میں
۲۔ عبدالرؤف داناپوری نے اپنی اصح السیر کے آغاز میں
۳۔ ڈاکٹر نثار احمد نے نقوش سیرت میں
۴۔ موسوعۃ نظرۃ النعیم جو سیرت طیبہ ﷺ پر پہلی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس نے فقط سطریں صرف کی ہیں۔
۵۔ ڈاکٹر فاروق حمادہ نے مصادر السیرۃ النبویۃ کے نام سے ۱۵۰ صفحات پر
۶۔ ڈاکٹر خالد انور نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ اردو نثر میں سیرت نگاری کے مقدمہ میں

۷۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع کے نام سے ۶۲ صفحات پر اس پہلو سے بحث کی ہے۔

ان تمام محققین نے بھی اپنی بحث کو سیرت نگاری کے چند اصولوں تک محدود رکھا ہے۔ سوائے مؤخرالذکر تین شخصیات کے۔ چند سال قبل بہاولپور یونیورسٹی میں سیرت چیئر کے زیر اہتمام انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا گیا اور مندوبین کو سیرت طیبہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر عنوانات کی ایک فہرست دی گئی تا کہ محققین اپنے پسندیدہ پہلو پر مقالہ تحریر کریں۔ میں نے سیرت طیبہ ﷺ کے ماخذ و مصادر پر مضمون تحریر کر کے کانفرنس کے مندوبین کے سامنے پیش کیا، جسے بعض اہل علم نے بہت سراہا اور میری حوصلہ افزائی کی کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں۔ اس لئے کہ یہ ایسا پہلو تھا جس پر میرے سوا کسی مقالہ نگار نے لکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں اس وقت کراچی کی ایک عظیم لائبریری

خالد ایم اسحٰق ایڈووکیٹ لائبریری

کا انچارج تھا۔ اس ذخیرہ میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد کتب ہیں اور سیرت طیبہ ﷺ کی ہر اہم کتاب موجود ہے۔ لیکن اصول سیرت نگاری پر کوئی مستقل کتاب نہیں تھی۔ لہٰذا میں نے اس پہلو پر مسلسل مطالعہ و حصول مواد کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ طویل کوشش و غور کے بعد یہ ایک طالب علمانہ مطالعہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ ابتدائی کوشش ہے اسے حرف آخر نہ سمجھا جائے میں کیا میری بساط کیا بقول شاعر

تو آفتاب غار بھی تو پرچم یلغار بھی — عجز و وفا بھی پیار بھی شہ زور بھی سالار بھی
طلسم جھوٹے خداؤں کا جس نے توڑ دیا — رگوں سے جاہلیت کا لہو نچوڑ دیا
مصنف کا قلم خاک لٹائے گا خزانے — قرآں میں قصیدے تیرے لکھے ہیں خدا نے

حقیقت یہ ہے میں سمجھتا ہوں اگر سیرت نگاری اصولوں کی روشنی میں ہو تو اس سے سیرت میں نکھار اور تنوع پیدا ہوگا۔ روایتی اسلوب سے ہٹ کر عہد حاضر کے اسلوب میں کام کی ضرورت ہے۔ ہم اگر سیرت نگاری میں مذکورہ اصولوں کو پیش نظر رکھیں تو یقیناً عہد حاضر کے قاری کو سیرت طیبہ ﷺ کی طرف بہتر انداز میں مائل کر سکتے ہیں۔

بہت سے واقعات اس وقت تک پوری طرح یا تو سمجھے ہی نہیں جاسکتے، یا اُن کی

صحیح قدر و قیمت نہیں معلوم ہوسکتی، جب تک اُن واقعات کے پیش آنے کے مقام کا جغرافیہ، معاشی و سیاسی حالت وہاں والوں اور اس واقعے میں حصہ لینے والوں کی نفسیاتی، کیفیت، اُس مقام کے ماحول اور ہمسائے کی داخلی اور اثر انداز حالتیں اور دیگر بہت سے امور کا مطالعہ نہ کیا جائے، اوروں کے حالات سے مقابلہ بھی ایک مزید پہلو ہے۔

لکھنے والے کی عقیدت، اہلیت، سہولت، حالات کی مساعدت، وسائل کی فراہمی وغیرہ کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔

ایک ہی واقعے سے مختلف ذہن، مختلف نتائج کا استنباط کرتے ہیں۔ سیرت نبویہ اس وقت دنیا کی ہر مہذب زبان میں ملتی ہے۔ اور بعض زبانوں میں ہزاروں کتابیں اس ایک موضوع پر ملتی ہیں۔ اگر مکررات کو حذف بھی کر دیں تو بھی ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص پہلو اہمیت رکھتا ہے۔ صرف آپ کی جنگوں ہی کو لیجئے کوئی اُن کا ذکر کہانیوں کے طور پر کرتا ہے۔ کوئی فن حرب کی تاریخ میں ان کو جگہ دینے کے لئے ان کا بیان کرتا ہے۔ کوئی قانون بین الممالک کے قواعد جنگ کی نظیروں کے لئے ان کا مطالعہ کرتا ہے۔ کوئی عربی سپاہی کی نفسیات، قوت برداشت، بہادری، موقع محل سے استفادے کی اہلیت وغیرہ کا مواد ان میں تلاش کرتا ہے۔

کتاب کی خصوصیات

- ❀ ...... یہ اپنے موضوع پر پہلی جامع و مفصل کتاب ہے۔
- ❀ ...... اس میں سیرت نگاری کے حوالہ سے پہلی دفعہ طالب علمانہ انداز میں نئے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔
- ❀ ...... کتاب جامع اور محققانہ اسلوب میں لکھی گئی ہے۔
- ❀ ...... کتاب فرقہ وارانہ مباحث سے محفوظ رہ کر خالص علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔
- ❀ ...... قرآنی آیات واحادیث کی صحت کا حتی الامکان اہتمام کیا گیا ہے۔
- ❀ ...... یہ کتاب چار سالہ جہد مسلسل اور غور و خوض کا ثمرہ ہے۔
- ❀ ...... کتاب میں نئے سیرت نگاروں کی رہنمائی کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔

- اصول سیرت کے ان نئے اصولوں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے جن کا دیگر محققین نے ذکر نہیں کیا ہے۔
- کتاب [illegible] کوشش کی گئی ہے [illegible]

اس موقع پر کمپوزر جناب عبدالماجد پراچہ صاحب اور جملہ احباب جنہوں نے مواد کی فراہمی اور پروف ریڈنگ میں میری بھرپور مدد کی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ (جزاکم اللہ خیرا)

قارئین سے گزارش ہے سیرت النبی ﷺ پڑھتے ہوئے جہاں آپ ﷺ کا نام آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کہیں، جہاں کسی صحابی کا نام آئے وہاں رضی اللہ عنہ کہیں، جہاں کسی صحابیہ کا نام آئے وہاں رضی اللہ عنہا کہیں جہاں کسی بزرگ کا نام آئے وہاں رحمۃ اللہ علیہ کہیں۔ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سیرت کا مطالعہ تمام سیرتوں سے بے نیاز کرسکتا ہے لیکن تمام عظیم ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ آپ ﷺ کی سیرت سے بے نیاز نہیں کرسکتا! یہ شاعری نہیں حقیقت ہے، آخر میں دعاء ہے

حرفِ دُعا ہوں صورت پذیرائی دے مجھے ۔۔۔ دیکھوں نظر کی اوٹ وہ بینائی دے مجھے

یادِ رسولؐ، پیار کی سچائی دے مجھے ۔۔۔ مدحِ نبیؐ، قرینۂ گویائی دے مجھے

کاغذ کی ناؤ ڈال رہا ہوں بہاؤ پر ۔۔۔ تنکا بھی پاؤں رکھنے چلا ہے الاؤ پر

میں اور وصفِ شاہِ پیمبر رقم کروں ۔۔۔ بادل قلم بنے تو سمندر رقم کروں

کیا کیا میں لوحِ ارض و سما پر رقم کروں ۔۔۔ دنیائیں اور ہوں تو وہ پیکر رقم کروں

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
استاذ و صدر شعبہ اسلامیات
قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی

سیرت کا دیگر علوم سے تعلق و امتیاز

اس کائنات میں انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی ہیں، لیکن انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کے پاس گزشتہ حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے گویا جس طرح جنگل کی زندگی گزاری جاتی ہے یہ بھی گزارتے ہیں۔ آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جد اعلیٰ کون تھے؟ کن کن جنگلوں وادیوں اور پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے ان کے آباء واجداد موجودہ مقام تک پہنچے؟ کن کن حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑا؟

لیکن ان کے مقابلہ میں انسان ہیں جنہوں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے اور اس کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ گزرے ہوئے واقعات کو محفوظ کرلیا جائے، انسانوں کی اسی کوشش کا نام تاریخ اور آثار قدیمہ ہے۔ اگرچہ ابتداءً اس کی طرف توجہ کم رہی، لیکن آج یہ ایک مسلمہ ناگزیر ضرورت ہے۔ جس کی وجہ سے ہر قوم اپنی توانائی کا بڑا حصہ اس پر صرف کر رہی ہے۔ اپنے گڑے ہوئے مردوں، مدفون ہڈیوں اور کتبوں کو جمع کیا جارہا ہے۔ ایک ایک ٹھیکری کو چن کر جوڑ کر پڑھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور انہی پر حقیقی یا خیالی بلند و بالا تاریخی عمارتیں کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ گویا تاریخ کی علمی ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے تسلیم کرلیا ہے۔

دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام حدیث نبوی وسیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (ملحوظ رہے اصطلاحی تاریخ مراد نہیں) میرا مطلب ہے جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی آج ہم تک پہنچی

ہے اس میں ایک ایسا واقعہ جس نے کسی خاص شعبہ حیات ہی میں نہیں بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا۔ جس سے مغرب و مشرق عرب و عجم سب متاثر ہوئے۔ اس حیرت انگیز انقلاب کی روداد کا نام سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی قوم وامت کے پاس ماضی کا جو بھی سرمایہ ہے وہ وثوق واعتماد میں تاریخ کے اس حصہ جسے ہم حدیث یا سیرت نبوی ﷺ کا عنوان دیتے ہیں مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔

سرمایہ سیرت ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا دیگر انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام کا اس کے بارے میں قرآن کریم نے واضح حکم دیا ہے:

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون (۱)

یعنی لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تا کہ وہ سوچیں قصص الانبیاء کو احسن القصص کہا گیا ہے گویا انبیاء کی سیرت بیان کرنے کی طرف خصوصی طور سے متوجہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کے احوال زندگی کا عمیق مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ مطالعہ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہمیں خالق کائنات نے اپنی کتاب میں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ (۲) رسول اُسوہ حسنہ ہے۔ (۳) ہمیں اپنے آپ کو انہی کے رنگ میں رنگنے اور ڈھالنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ لیکن ہم اس حکم کی تعمیل صرف اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب کہ سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کرلیں بار بار پڑھیں، سنیں، دوسروں کو سنائیں، خود یاد رکھیں، دوسروں کو یاد دلائیں۔

ایک غیر مسلم کے لئے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کہ نوع انسانی میں سے مرد کامل کا صرف یہی ایک نمونہ ہے۔ (۴) کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ جان لینا تو ہر آدمی پر فرض ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب و کامران اور ہر اعتبار سے ممکن انسان کیسا ہوتا ہے؟ اس لئے کہ ہر شخص میں کامیاب و بامقصد زندگی گزارنے کی

فطری خواہش ہوتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے کسی کو آئیڈیل تسلیم کرنا پڑتا ہے۔
یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کسے آئیڈیل تسلیم کیا جائے؟ کس کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کیا جائے۔ جو انسانی مسائل کے حل میں مکمل رہنمائی کرتی ہو۔ زمین پر زمانہ نایادگار سے نوع انسانی آباد ہے اور آج بھی لاکھوں اور کروڑوں نہیں بلکہ اربوں آدمی اس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کا قصہ ایک ہی سا قصہ ہے کہ پیدا ہوا، بڑوں نے دیکھ بھال کی، پرورش و پرداخت ہوئی، ایک محدود مدت تک زمین پر زندہ رہا اور بالآخر مر کر پیوند زمین ہوگیا۔ نہ پیدا ہونے میں اختیار و ارادہ کو دخل تھا اور نہ موت میں۔

حیاتِ جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

سب کہاں؟ جن چند لوگوں کا حال آپ کو معلوم ہے، ان ہی کی زندگیوں پر غور کیجئے۔ پیدائش اور موت پر تو یقیناً کسی کو بھی اختیار حاصل نہ تھا۔ لیکن سن بلوغ سے موت تک جو کچھ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے رہے، ان اعمال و افکار میں انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار کو کس کس طرح استعمال کیا اور وہ اپنے مقاصد زندگی میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہاں! اور یہ بھی دیکھئے کہ انہوں نے ایک رخ کی تکمیل کے لئے زندگی کے دوسرے رخوں کو نظر انداز تو نہیں کر دیا۔ مثلاً ایک شخص روحانی سکون حاصل کرنے کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑ کر پہاڑ پر جا بیٹھا، تو اس کی زندگی اور پہاڑ کی چٹان میں کیا فرق باقی رہا۔ وہ نہ ہوا، پہاڑ کی ایک چٹان ہوئی، دوسرا بیوی بچوں اور عیش وعشرت دنیا میں اس طرح الجھا کہ ساری کائنات سے غافل ہوگیا، تو اس کی زندگی اور کتے بلیوں کی زندگی کے مابین امتیاز کیا رہا۔ وہ نہ رہا کتے رہے بلیاں رہیں۔ آدمی کا ہے کو ہوا محض ایک جانور ہو کے رہ گیا۔
انسانی زندگی تو مختلف اور متنوع فرائض وواجبات کا مجموعہ ہے اور ان ہی کی اچھی طرح تکمیل سے زندگی کا کمال وابستہ ہے۔ ایک آدمی پر کچھ فرائض اپنی ذات کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ کچھ کنبے اور گھرانے کی طرف سے کچھ ہمسایوں اور اہلِ وطن کی طرف سے، کچھ قوم وملت کی طرف سے اور کچھ بنی نوع انسانی کی طرف سے، ان ہی متنوع فرائض و واجبات کی اس طرح متناسب ومتوازن ادائیگی کی ایک وجہ سے دوسرا رُخ متاثر نہ ہو اور ایک میں انہماک سے دوسرے کی طرف سے تغافل نہ پیدا ہوجائے، کامیاب وکامران زندگی کہلاتی ہے۔ اپنی ذات سے وابستگی اور اپنی راحت و عافیت کا اہتمام یقیناً ہر انسان کی

اولین تمنا ہے۔ اس حد تک کہ پہاڑوں میں تارک الدنیا کی زندگی بسر کرنے والے سادھو بھی بھوک پیاس کے لئے کچھ نہ کچھ جتن کیا ہی کرتے ہیں اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی غار تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ہی ذات کو مقصود و معبود بنا لے اور زندگی کے دوسرے واجبات سے غافل ہو جائے تو اس کی زندگی کو نمونہ کی کامیاب زندگی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ایسی کسی زندگی سے ہمارے لئے کوئی ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ؎

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

اب اس تصویر کا دوسرا رخ لیجئے۔ ایک شخص وطن دوستی بلکہ ناپاک وطن پرستی کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے اوپر خود فراموشی کی کیفیت طاری کر لیتا ہے، نہ اپنی ذات کی فکر کرتا ہے، نہ پلٹ کر بیوی بچوں کی طرف دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ ان عمومی فرائض و واجبات کی طرف سے بھی غافل ہو جاتا ہے، جو محض ایک انسان ہونے کی وجہ سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو کوئی ذی ہوش آدمی کامیاب و کامران بھلا آدمی نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی تنگ نظر وطنی حکومت کا اسے سربراہ بنا دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شہر کے باغ عام میں آنے والی نسلوں کے دماغوں کو زہرناک بنانے کے لئے اس کا مجسمہ نصب کر دیا جائے۔ مگر ایک بلند نظر آدمی اسے اچھا نمونہ نہیں قرار دے سکتا۔

پھر یہ بھی دیکھئے، ایک آدمی کو اپنی اس مختصر سی زندگی میں کیسے کیسے متنوع حالات سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی دولت کی فراوانی، کبھی غربت کی پریشانی کہیں دوست سے واسطہ پڑتا ہے، کہیں دشمن سے مقابلہ، کبھی صحت و قوت، کبھی بیماری و ناتوانی، آدمی کو کیا کیا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ کبھی قوم کا سردار کبھی سردار کا فرماں بردار۔ کہیں حکومت و جماعت کا منتظم کہیں نادانوں کا معلم، یہ انسان ہی تو ہے جو کبھی فوج کا کمانڈر اور کبھی جج بن کر داد عدل گستری دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

کیا یہ حقیقت و واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بڑوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ہمارے سامنے ایک ایسا عملی نمونہ ہو، جس کی سیرت میں انسانی زندگی کے ان متنوع و مختلف حالات کا کامیاب نمونہ ہمیں مل جائے، تلاش کیجئے دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک شخص بھی ایسا دکھائی دیتا ہے، جو ہمارے لئے ان تمام حالات میں نمونہ کا کام دے سکے۔ بہت سے فاتحین اور کشور کشاؤں کا حال ملتا ہے، بہت سے فلسفیوں کے افکار ملتے ہیں، بہت

سے تارک الدنیا لوگوں کے تذکرے ہم سنتے ہیں۔ بہت سے بادشاہوں، وزیروں اور عالموں، فاضلوں کے قصے موجود ہیں۔ ان کی بڑائی تسلیم، ان کی سربلندیاں سر آنکھوں پر مگر غور سے دیکھئے تو یہ سب کچھ سیرت انسانی کے کسی ایک رُخ کی کہانی سے زیادہ کچھ ہے؟ اس سے انکار نہیں اور ہمارا تو ایمان ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خالق نے ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں عملی زندگی کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے کے لئے سچے اور بہترین رہنما بھیجے تھے، لیکن ان کے حالات ہم تک کہاں اور کتنے پہنچ سکے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان میں اکثر کی تاریخی شخصیت بھی قابل اعتماد تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ مستند یا غیر مستند حالات ہمیں ملتے ہیں، وہ محض چیدہ چیدہ واقعات ہیں، جن سے ان بزرگوں کی سیرت و کردار کا مکمل تو کیا کوئی نامکمل خاکہ بھی تیار نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں اور محض سوالات ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے حل کرنے کے لئے ہمیں ان قصہ کہانیوں میں کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔

اس کے برخلاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا۔ ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح ہے۔ آپ کا شخصی کردار، رحمت، رأفت، شفقت خشیت، عبادت، شجاعت عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متانت، ایثار، احساس ذمہ داری، عاجزی اور تواضع، صبر، توکل، ثبات، دانش مندی وغیرہ وغیرہ سب کی کیفیت اور ان کے عملی نمونے مل جاتے ہیں اور بہت سے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور اچھے نانا دادا وغیرہ کے بہترین نمونے ہمیں ملتے ہیں، جماعتی زندگی میں اچھے دوست، اچھے ساتھی، شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپ کی ذات میں ملتا ہے۔ اسی طرح ملی و قومی زندگی میں عدل، انصاف، فوجوں کی کمانڈری، انتظامات حکومت، رعایا پروری، سیاسی سمجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک وغیرہ ایسا مکمل اور اتنا بہترین نقشہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ویسا اور کہیں نہیں دکھائی دیتا اور کمال یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک ہی مقدس و مکمل انسان میں مل جاتے ہیں اور مطالعہ کرنے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ ۔

کاسئہ غیر کو، اور منہ سے لگاؤں، توبہ

شان پہچانتا ہوں یار کے پیمانے کی

اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ زندگی کے کسی مرحلہ پر اور کسی حالت میں کہیں اور سے کوئی سبق حاصل کیا جائے، خوشی، غم، تونگری، افلاس، سرداری، حکومت، اقتدار، ناتوانائی، صلح، جنگ، امن، بدامنی، اخلاص، دشمنی وغیرہ آخر آپ کو اپنی زندگی میں ان ہی باتوں سے تو واسطہ پڑے گا۔ آپ کو ان حالتوں میں کیا یقین رکھنا چاہیئے اور کیا عمل کرنا چاہیئے کہ آپ کامیاب رہیں اور آپ کا خالق بھی آپ سے خوش رہے۔ اس کا جواب آپ کو صرف سیرت طیبہ ہی میں مل سکتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین اسلام ہی کی تکمیل نہیں فرمائی بلکہ نبوت اور رہنمائی کے سلسلے کو آپ پر ختم کر کے سیرت انسانی کی بھی تکمیل فرما دی۔ اور اس طرح تکمیل فرما دی کہ اس سے زیادہ مکمل اور اتنے اچھے نمونہ کردار کا تصور بھی ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کا ایمان ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ خالق کائنات کی رضامندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اتباع کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ اور بغیر حصول رضائے الٰہی نہ دنیا بھلی اور نہ آخرت۔ البتہ ایک غیر مسلم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ اس لئے کہ اس میں ایمان و یقین کا فقدان ہے۔ لیکن سیرت طیبہ کا عمیق مطالعہ اس کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اس نے سیرت طیبہ کا مطالعہ نہیں کیا تو اسے کہیں دنیا میں ایسا مکمل، واضح اور تفصیلی نمونہ، کامیاب انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی کا نہیں مل سکتا۔ وہ اپنی زندگی کے بہت سے مرحلوں میں یا تو شش و پنج میں گرفتار ہو جائے گا یا بری طرح ٹھوکریں کھائے گا۔ زندگی بہرحال زندگی ہے چاہے مسلمان کی زندگی ہو یا غیر مسلم کی۔ یہ وقت سب پر آتا ہے جب ایک آدمی کا دماغ یہ سوال کرتا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور ہمارے عمل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ لازم ہے کہ آدمی کے سامنے اس سوال کے وقت کوئی نمونہ عمل موجود ہے۔ ایک نبی اور ایک فلسفی کے مابین یہ واضح فرق ہر جگہ نمایاں ہے کہ نبی جو کچھ کہتا ہے، اس کے مطابق عمل کر کے دکھاتا ہے اور فلسفی جو کچھ سوچتا ہے، وہ کہتا ہے نہ خود اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے عمل کرنے والے کو نتائج عمل کی ضمانت دیتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے اقبال نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لفظ ”اصول“ کی تحقیق: اصول (Principles) اُصل کی جمع ہے۔(۵) اردو میں اس کے معنی ہیں بنیادیں۔(۶) المنجد کے مطابق اصول کہتے ہیں: القوانین و القواعد التیبینی علیها العلم۔ (۷) ایسے قوانین وقواعد جو کسی علم وفن کو بنیادیں فراہم کریں۔ سورۂ ابراہیم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا۔(۸) اَبی ہلال عسکری اُصل اور اساس میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہر اساس اصل نہیں ہوتی اور نہ ہر اُصل اساس ہوتی ہے۔(۹) لہٰذا میرے خیال میں اصول سیرت کا مطلب ہوگا ایسے اصول جو فہم سیرت میں معاون و بنیاد ثابت ہوں۔

سیرت کی لغوی تعریف: ”سیرۃ“ ساز یسیر سیراً سے چلنے پھرنے کے معنی میں آتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے معنی ہیں طریقہ، راستہ، روش، شکل وصورت (۱۰) سیرۃ کی جمع سیر ہے جس کے معنی ہیں طرز عمل برتاؤ یہ لفظ دو خود مختار سیاسی وحدتوں کے تعلقات معاملات کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔(۱۱) فقہاء، محدثین کے ہاں لفظ سیرت وسیر مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چنانچہ امام مسلم کی جامع میں کتاب السیر والجهاد(۱۲) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں کتاب المغازی والسیر کے عنوانات موجود ہیں(۱۳) فقہ میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں مستعمل ہے۔ بلکہ اسی نام سے متعدد کتب ہیں(۱۴) ابن اسحٰق اور واقدی کی کتب کو کتب سیر کے ساتھ کتب مغازی بھی انہی معنوں میں کہا جاتا ہے۔(۱۵)

لسان العرب کے مطابق سیرۃ حسن السیرۃ اچھے چال چلن کے معنی میں ہے۔(۱۶) تاج العروس کے مطابق طریقہ اور برتاؤ کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے، سارا لوالی فی رعیته سیرۃ حسنة یعنی حاکم نے رعایا کے ساتھ اچھے طریقہ کا برتاؤ کیا(۱۷) یہی معنی الصحاح نے بھی بیان کئے ہیں۔(۱۸) سیرۃ کا لفظ سوانح حیات کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے(۱۹) تاریخ بیان کرنے کے معنی میں بھی ہے(۲۰) اور ذاتی جواہر بھی بیان کیا گیا ہے(۲۱) قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے۔ مثلاً سنعیدها سیرتها الاولیٰ (۲۲) ہم اسے اسی ہیئت میں کردیں گے جس میں پہلے تھی۔ یہاں سیرۃ حالت وہیئت کے

معنی میں ہے دوسری جگہ اس کی جمع استعمال ہوئی ہے۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین (۲۳) اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ زمین میں گھوم پھر کر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ لو۔ یہاں سیر کا لفظ غور و فکر کے معنی میں ہے۔ یعنی جس کے حالات میں غور و فکر کیا جائے وہ سیرت ہے (۲۴)

خلاصہ کلام یہ کہ سیرۃ کا لفظ (۱) جانا، روانہ ہونا، چلنا (۲) روش، طریقہ (۳) شکل و صورت اور ہیئت (۴) کردار (۵) طرز زندگی، زندگی کے نشیب و فراز (۶) عادت (۷) قصے، کہانی، سابقہ واقعات (۸) اور ایسی سوانح جسے غور و خوض کے ساتھ لکھا و بیان کیا جائے ان سب پر لغواً اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (۲۵)

سیرت کی اصطلاحی تعریف: (۱) اصطلاح میں پروفیسر عثمان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور اخلاق و عادات بیان کرنے کا نام سیرت ہے۔ (۲۶)

(۲) مولانا ادریس کاندھلویؒ کے مطابق آنحضرت ﷺ کی اصل سیرت تو سارا ذخیرہ احادیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات و سرایا کے حالات و واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے تھے۔ (۲۷)

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق سیرت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی (سوانح) پر اس کا اطلاق ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کا خصوصی مفہوم یہی ہے۔ (۲۸)

(۴) قاسمی صاحب کے مطابق سنت کہتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو قولاً، فعلاً، تقریراً صفت خُلقِیَةً یا خَلقِیَةً یعنی سیرت خواہ نبوت سے پہلے کے زمانہ پر مشتمل ہو یا بعد کے زمانہ پر سب کو سیرت کہا جاتا ہے۔ (۲۹)

(۵) محمد سرور کی رائے ہے سیرت کا لفظ جب مطلقاً بولا جاتا ہے تو شریعت میں اس سے مراد وہ کام ہوتا ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے کرنے کا حکم دیا یا جس سے روکا یا جسے جائز سمجھا۔ (۳۰) اور سیرت بھی ایک قسم کی تاریخ ہے۔ (۳۱)

(۶) شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ کے مطابق:

آنچہ متعلق بوجود پیغمبر ما صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وآں عظام است واز ابتدائے تولد آنجناب تاغایت وفات آں را سیرت گویند (۳۲)

جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی عظمت اوران کے وجود سے متعلق ہو جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کئے گئے ہوں وہ سیرت ہے۔

سیرت کی یہ تعریف پچھلی تعریفات سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔اس میں نبی کی ذات وسیرت کے بیان کے ساتھ صحابہؓ کی ذات وسیرت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔اس کی تائید اگلی تعریفات سے بھی ہوتی ہے۔

(۷) مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اس میں سیرت نبوی ﷺ وسیرت صحابہؓ دونوں شامل ہیں۔ لکھتے ہیں:

حدیث کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور واقعات جو ان کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ لیکن بعضوں نے اسے آگے بڑھا کر پیغمبر ﷺ کے صحابہؓ اور بعضوں نے صحابہؓ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال وافعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کرلیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔(۳۳) اور اپنے موقف کی دلیل کے طور پر لکھا ہے فن حدیث کے سب سے بڑے امام امام بخاری نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے۔ اگر اسی پر غور کرلیا جائے تو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ میں نے جو کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف ''بخاری شریف'' کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے بلکہ خود حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام:

اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ الْمُسْنَدُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ "اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَيَّامِهٖ"

رکھا ہے۔ اس حدیث کی صحیح تعریف ہے۔ اس میں امور اور ایام کے الفاظ قابل غور ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا۔ یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ (۳۴) خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کی تعریف سیرت کا احاطہ کرنے کے ساتھ صحابہ کے حالات کا بھی احاطہ کرتی ہے۔

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد نے سیرت کی جو تعریف کی ہے وہ بھی اسی مفہوم کی وسعت کی تائید کرتی ہے۔ سنت و سیرت کی جگہ "قرآن و کتاب" کا لفظ بول دیا جائے کہ نام دو ہو گئے مگر حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں، یعنی بات وہی ایک رہی۔ دلالت و تسمیہ میں تعدّد ہوا، مدلول و مسمّٰی میں نہیں،

عبارا تنا شتى و حسنک واحد

(ہماری عبارتیں والفاظ الگ الگ ہیں مگر تیرا حسن ایک ہے)

یا پھر اسی نسخہ کے اجزاء و توابع، جیسے آثار و سیر صحابہؓ و سلف امت اور معارف و بصائر ماخوذہ و مکتبہٗ کتاب و سنت کہ گو اشکال و أسماء میں تفرقہ و امتیاز ہوا، مگر "بحکم علیکم بسنتی و سنۃ خلفا الراشدین" (۳۵) (میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع اپنے اوپر لازم کرلو) اور

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (۳۶)

مبعوث کیا اس رسول کو دوسروں کے لئے بھی۔

اور

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (۳۷)

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس پر بھی اللہ کا انعام ہے۔

اور

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی۔

جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہے۔

معنی "حکماً جزء وکل، اصل وفرع، مصدر و مشتق یا شمس وکواکب کا سا معاملہ واقع ہوا ہے۔ روشنی صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی کی ہے اگر چہ چاند سے بھی مل جائے اور چمکیلے ستاروں سے بھی...... اور اگر یہ دونوں صورتیں بھی نہیں تو پھر جو کچھ ہے، نہ تو علم ہے اور نہ شفاء، بلکہ خود جہل ہے اور مرض۔" آگے لکھتے ہیں:

سوانح و ایام بھی سیرت نبویہ ﷺ کے مختلف اجزاء ہیں بلکہ ہدایت قرآنی و حکمت نبوی ﷺ کے عملی ومجسم ثمرات ہونے کے لحاظ سے دلائل و آیات نبوت کے حکم میں داخل ہیں۔ پس یقیناً آپ کی سیرت مکمل نہ ہوتی اگر ان کے حالات بھی قرآن کریم میں پوری شرح وتفصیل سے نہ ملتے۔(۳۹)

لفظ "سیرت" کی اصطلاح کا اولین استعمال: سیرت نبوی ﷺ کے لئے

ابتداء "مغازی" یعنی غزوات کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ (غزوہ ان جنگوں کو کہا جاتا ہے جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی ہو۔(۴۰) یہ تھا کہ جس کا ابتدائی کتابوں میں آپ ﷺ کے غزوات کا تذکرہ زیادہ اور حیات طیبہ کا ذکر کم ہوتا تھا بعد میں چونکہ حیات طیبہ کا حصہ وافر تعداد میں شامل ہوگیا اس لئے اس کا سابقہ صحیح نام "سیرت" استعمال ہونے لگا۔ میرے خیال کے مطابق ابتداء مغازی کا لفظ استعمال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پچھلے زمانہ میں حکمرانوں کا بنیادی کارنامہ ان کی فتوحات ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا کسی حکمران کی بڑائی یہی تھی کہ اس نے جنگیں کی ہوں۔ یہی کسی شخص کے بڑا ہونے کا اسٹیٹس مقرر تھا۔ یہی وجہ ہے اسی رسم کے تحت آپ ﷺ کے مغازی کا پہلے رواج ہوا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (The Encyclopaedia of Islam) کے مقالہ نگار جی لیوی ڈیلاویڈا (G Levidella vida) کی تحقیق کے مطابق حضور ﷺ کی سوانح عمری کے لئے "سیرت" کا استعمال سب سے پہلے ابن ہشام نے کیا ہے وہ اپنی کتاب کو ہذا کو کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتے ہیں۔(۴۱)

گویا پہلی کتاب جسے سیرت النبی کا نام دیا گیا، وہ سیرت ابن ہشام ہے ورنہ لفظ سیرت کا استعمال نبی کریم ﷺ کی سوانح کے لئے اس سے پہلے بھی بولا جاتا تھا مگر کتابوں کو ''مغازی'' کا نام دیا جاتا تھا سیرت کا نہیں (۴۲) اس کا ثبوت یہ ہے کہ متعدد احادیث میں آپ کی سوانح کے لئے صحابہؓ نے سیرۃ کا لفظ استعمال کیا ہے (۴۳) اور عہد نبوی ﷺ کے شاعر حضرت کعب بن مالکؓ نے غزوہ احد کے موقع پر نعتیہ قصیدہ کہتے ہوئے فرمایا تھا:

الحق منطقة و العدل سيرة۔ فمن يجبه اليه يخج من ثبب (۴۴)

آپ ﷺ کی بات حق ہے آپ کی سیرت عدل ہے جس نے آپ کی پیروی کی وہ ہلاکت سے نجات پا گیا جس سے واضح ہوتا ہے آپ ﷺ کے لئے سیرت کا لفظ عام مستعمل تھا۔

سیرت النبی ﷺ کی دیگر علوم اسلامیہ سے یکسانیت اور امتیازی

خصوصیت کا جائزہ: سیرت النبی ﷺ بعض خصوصیات کے لحاظ سے حدیث بھی ہے اور تاریخ بھی۔ سوانح بھی ہے میلاد بھی اور بعض خصوصیات کے لحاظ سے فرق بھی ہے۔ لہٰذا سیرت کے مقام کے تعین کے لئے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔

سیرت اور حدیث: سیرت و حدیث میں تین اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(۱) اصحاب حدیث (محدثین) تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا، دوسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا، تیسری یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا آپ کے زمانہ میں کیا کیا گیا۔ اصحاب سیرت (سیرت نگار) بھی انہی تینوں امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دونوں کا کام ایک جیسا ہوا۔

(۲) محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی بات صحت دریافت کرنے کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں۔ لہٰذا بغیر کسی سند کے حدیث قبول نہیں کی جاتی۔ اصحاب سیر بھی بغیر سند کے یا جھوٹے شخص کی روایت کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

(۳) اصحاب سیر اور اصحاب حدیث حقیقت کے اعتبار سے دو الگ جماعتیں نہیں ہیں۔ بلکہ جتنے محدثین ہیں، وہ سیرت نگار بھی ہیں جو سیرت نگار ہیں، وہ محدث بھی ہیں۔ مگر دونوں

کے مقاصد و اہداف الگ الگ ہیں، لہٰذا وجوہ ترجیح تبدیل ہو جاتی ہیں۔(۴۵) سیرت و حدیث میں آٹھ اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے۔

(۱) سیرت میں واقعات کے ربط و ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔لیکن حدیث میں آپ کے حالات موجود ہونے کے باوجود سیرت کی طرح ترتیب لازم نہیں، بلکہ جہاں جس پہلو کی ضرورت ہوتی ہے محدث بیان کر دیتا ہے۔(۴۶) اس کی وضاحت میں ابوالبرکات لکھتے ہیں، محدثین کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول کی ذات سے بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے اور سیرت نگار کے ہاں اس کے برعکس ہوتا ہے۔(۴۷)

(۲) سیرت کا مستند ترین مواد کتب احادیث ہی میں ہے، اگرچہ بعض اوقات سیرت نگاروں نے روایات کے بارے میں محدثین کی طرح مکمل احتیاط نہیں برتی، یہی وجہ ہے حدیث کی روایات کا درجہ سیرت کی روایات سے بلند ہے۔(۴۸)

(۳) محدثین ساری توجہ اس نکتہ پر صرف کرتے ہیں کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا نہیں، جبکہ سیرت نگار اس نکتہ پر توجہ دینے کے ساتھ یہ بھی جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے کب کہا؟ یا کس وقت یہ کام کیا یا آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو دوسرے یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کا سبب کیا تھا۔(۴۹)

(۴) سیرت نگار حضور ﷺ کے اقوال، افعال، واقعات کو مربوط و مسلسل بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں جبکہ محدثین صرف روایت کی صحت پر توجہ دیتے ہیں۔(۵۰)

(۵) وجوہ ترجیح کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے محدثین و سیرت نگار دو الگ جماعتیں بن گئیں اور دونوں کے معیار تحقیق میں بھی فرق آ گیا۔ محدثین رواۃ کی ثقافت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں۔ سیرت نگار حالات کی موافق اور واقعات کے علم کی بنا پر دو میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔(۵۱)

(۶) ندیم الواجدی لکھتے ہیں، سیرت میں درجہ صحت سے کم درجہ کی روایات سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں اسکی گنجائش نہیں ہے۔لیکن یہ صرف ان احادیث کے لئے ہے جن کا تعلق احکام و مسائل سے ہوتا ہے۔(۵۲) علامہ عثمانی نے لکھا ہے علماء کا بڑا گروہ

اس کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائل اعمال اور قصص وغیرہ میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس گروہ میں امام احمد، امام شافعی، ابوداؤد، امام نووی اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔(۵۳) امام ابوحنیفہ ضعیف احادیث سے احکام میں بھی استفادہ کرتے ہیں اور رائے پر ترجیح دیتے ہیں لیکن صحیح حدیث پر ترجیح نہیں دیتے۔(۵۴)

(۷) مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزء ہے۔(۵۵)

(۸) حدیث کی کتابیں فقہی ابواب کی ترتیب پر تقسیم ہوتی ہیں اور سیرت کی کتابیں سنین یا واقعات کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہیں۔(۵۶) مولانا شبلی نعمانی سیرت وحدیث کے فرق کا سبب بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں تجزیہ کرتے ہیں۔

> سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی رواتیوں میں اس درجہ کی شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی، جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن کریم اور حدیث ہی سے ماخذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن کریم یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں۔ اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا ہے۔

جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت ومیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں۔(۵۷)

سیرت اور تاریخ: اسلامی علوم میں سیرت کو ایک نیم تاریخی نیم سوانحی صنف قرار دیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا فن تاریخ فن سیرت نگاری سے متاثر

ہوا۔(۵۸)

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز صنف ہے۔تاریخ کی چند تعریفیں کی جاتی ہیں، مشہور ماہر تاریخ کافیجی (م ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب "المختصر فی علم التاریخ" میں یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ زمانے کے حالات، اور ان حالات کے متعلقات کی یقینی تلاش کا نام ہے۔ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی مشہور تصنیف "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ" میں کہا ہے کہ زمانے کے واقعات کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے۔ دور وسطی کے مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ مطالعہ کا نام ہے۔(۵۹)

ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوہرا (م ۳۹۸ھ) کہتا ہے تاریخ کے معنی وقت بتاتا ہیں۔(۶۰) انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (Encyclo padia Britannica) کے مطابق تاریخ کو دو مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے، کبھی واقعات کے بیان پر اور کبھی بذات خود واقعات کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔(۶۱) یہاں تاریخ اور سیرت کا چار فرق بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا فرق: تاریخ کا موضوع انسان اور زمانہ ہے(۶۲) اس کے بالمقابل سیرت کا موضوع ایک محبوب انسان اور اس کا بابرکت عہد ہے۔ اس عہد میں رونما ہونے والے واقعات بھی سیرت کا حصہ ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ تاریخ کا موضوع عموماً ملک اور زمانہ ہوتا ہے جن میں ضمناً شخصیات زیر بحث آتی ہیں۔ جبکہ سیرت میں ایک مخصوص شخصیت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بنا کر ضمناً ملک و زمانہ اور اس کے خدوخال کو اجاگر کیا جاتا ہے۔(۶۳)

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ: سیرت کے مآخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے۔ تاریخ کا مدار صحت مند مآخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن سیرت میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ روایات جس طرح پہنچیں انہیں من و عن ذکر کر دینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے۔ ان روایات میں جس قدر چھان پھٹک اور کاوش سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ الگ قابل غور ہے۔(۶۴)

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ ہمارے سامنے جن مؤرخوں کے ذریعہ تاریخیں پہنچی ہیں خود ان مؤرخوں کا اس زمانہ سے جس زمانہ کی انہوں نے تاریخ لکھی ہے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہے بھی تو اس درجہ کا نہیں ہے جس درجہ کا صحابہ کا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

بلکہ اکثر مورخین تو تاریخ کے خود بھی عینی شاہد نہیں ہیں جبکہ صحابہؓ اس تاریخ کے جسے ہم سیرت کہتے ہیں عینی شاہد ہیں۔ لہٰذا عام تاریخ کا سیرت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔(۶۵)

فاضل دیوبند مولانا مناظر احسن گیلانی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے ہیں عموماً ان کا تعلق کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اسی قسم کی منتشر اور پراگندہ گوناگوں چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ بخلاف اس کے سیرت و حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک خاص شخصی وجود، یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔ ایک قوم، ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور سے سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے، اور دوسری طرف ملک نہیں، ملک کی کوئی خاص قوم نہیں، کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قوم کا کوئی خانوادہ نہیں بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ خود اندازہ کیجئے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے؟ پہلی صورت میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں، غلطیوں کے جتنے قوی اندیشے ہیں یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت و واقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کی جا سکتی ہے۔(۶۶)

سیرت اور میلاد: سیرت اور میلاد دونوں کا مقصود بالذات حب رسالت، تذکرہ رسالت اور فروغ اُسوہ حسنہ ہے لیکن یہ عنوان برصغیر میں خاص مناظراتی پس منظر کا حامل ہے۔ مگر یہاں ایک خاص نکتہ پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ میلاد یعنی نبی کریم ﷺ کی ولادت سے کسی مشرک کو کوئی تکلیف نہیں تھی، آپ ﷺ کی ولادت پر کسی نے خفگی و ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بلکہ سب نے خوشی منائی تھی، انہیں آپ کی ولادت (میلاد) سے کوئی تکلیف نہیں، ان کو تکلیف آپ کی تعلیمات (سیرت) سے تھی۔ برصغیر میں سیرت کی جگہ

میلاد کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ جس کا سبب عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کا اپنے پیشواؤں کا جنم دن (یوم پیدائش) منانا بھی ہے۔ گویا اس مخصوص اصطلاح ''میلاد'' کے فروغ میں تہذیبی اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔

سیرت اور میلاد میں چھ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت بیان ہوتی ہے جبکہ میلاد میں ولادت، معجزات معراج اور وفات وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ مکمل سیرت نہیں ہوتی۔ تمام میلاد ناموں میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی قدر مشترک ہے۔

(۲) سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ تک حالات ہوتے ہیں، جبکہ میلاد ناموں میں ضمنی واقعات مثلاً واقعہ کربلا، بزرگوں کا تذکرہ بھی شامل ہوتا ہے۔ (۶۷)

(۳) سیرت میں تاریخی یا واقعاتی ترتیب کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ میلاد میں ایسا ضروری نہیں ہے۔

(۴) عہد حاضر میں ایک اور فرق نمایاں ہوگیا ہے، خواتین میں میلاد اور جلسہ میلاد مخصوص ہوگیا، جبکہ عام جلسے سیرت کے نام سے منعقد ہوتے ہیں۔

(۵) سیرت میں عموماً مثبت و مستند واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ جبکہ میلاد میں عموماً متنازعہ موضوعات زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔

(۶) برصغیر میں جو کتب میلاد آغاز میں رائج رہیں ان میں اکثر منظوم ہیں۔ بعد میں نظم ونثر کے مجموعے زیادہ مقبول ہوئے۔ جبکہ کتب سیرت کی غالب تعداد نثر میں ہے۔

سیرت اور نعت: نعت کہتے ہیں تعریفی اوصاف بیان کرنا۔ اصطلاحاً یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف محمودہ کو منظوم یا نثر کی صورت میں بیان کرنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (۶۸)

(۱) سیرت کی طرح نعت کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ اس میں سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ لیکن آج کل نعت کا اطلاق منظوم سیرت پر کیا جاتا ہے۔ نثر پر نہیں۔ (۶۹)

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں آپ کی تعلیمات غالب طور سے بیان کرتے ہیں

جبکہ نعت میں اظہار عقیدت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے: عہد حاضر میں جن نعتوں کا رواج چل رہا ہے۔ ان کا ادب اور سیرت سے تعلق کم موسیقی اور صوتی اثرات وردھم سے زیادہ ہے۔

سیرت اور سوانح: سوانح کو حیات (Life) اور بایوگرافی (Biography) کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف جوزف ٹی شپلے نے یہ کی ہے کہ: سوانح عمری ایک شخص کی پیدائش سے موت تک کے افکار و افعال کا بیان کرنا۔ کارلائل کے نزدیک: یہ ایک انسان کی تاریخ ہے۔(۷۰) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق سوانح کا موضوع ایک انسان ہے۔ اور اس کی ایسی زندگی ہے جو حقیقتاً بسر کی گئی ہو۔(۷۱) سیرت میں بھی سوانح موجود ہے لیکن پانچ اعتبار سے فرق ہے۔

(۱) پہلا فرق یہ ہے کہ: سیرت حیات انسانی کے ایک ایسے مثالی نمونے کو موضوع بناتی ہے جو ہر خطاء و تقصیر سے پاک ہے۔ جبکہ سوانح میں ان خوبیوں کا ہونا ضروری نہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ سیرت میں تقدس ہے، غور و خوض ہے، جبکہ سوانح میں اس عنصر کا ہونا ضروری نہیں۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ سوانح میں واقعہ کی صداقت صرف روایت یا سماعت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جبکہ سیرت میں واقعہ کی صداقت روایت و درایت (حدیث کے اصول تنقید) کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سیرت سوانح سے زیادہ مستند ہے۔

(۴) سوانح تصور کشی تخیل و قیاس کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جبکہ سیرت میں اس کی گنجائش ہی نہیں، بلکہ دروغ گوئی کے زمرہ میں شامل ہونے کے سبب حرام ہے۔

(۵) سوانح میں خوبیاں و خامیاں دونوں بیان کی جاتی ہیں۔ جبکہ سیرت کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خامیوں سے پاک ہیں اور معصوم ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی خامیاں نکالنا حرام اور گستاخی رسالت ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں مستشرقین دھوکہ کھا گئے ہیں اور عام بشر و نبی میں فرق قائم نہیں رکھ سکے ہیں اور ہرزہ سرائی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سیرت کے مفہوم کی تعین و تقابلی مطالعہ کے بعد اب میں مختصراً سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ پیش کروں گا۔

سیرت نگاری کا ارتقائی جائزہ

ماضی کی شاندار روایات کو یاد رکھنا، اور آباؤ اجداد کے محاسن و مفاخر کو بیان کرنا۔ قدیم زمانہ سے دنیا کی قوموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے، جاہلی عربوں کے یہاں اس کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اپنے قصائد و اشعار، اور قصص و اسماء کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو آبائی اور قبائلی روایات سے آگاہ کرتے تھے، ان کے یہاں جو دو سخاء، ایفائے وعدہ، مہمان نوازی، قبائلی حمیت، حق جواز جیسے امور بہترین اوصاف شمار کئے جاتے تھے، اور باہمی جنگ و جدال، قومی ایام و وقائع، احساب و انساب کی داستانیں بڑے فخر سے سنی سنائی جاتی تھیں۔

عربوں میں نوشت و خواند کا رواج بہت کم تھا۔ اپنے خداداد حافظہ کی وجہ سے وہ بڑی حد تک اس سے مستغنی تھے۔ اس لئے قبائلی اور قومی مفاخر و محاسن کو آنے والی نسلوں تک زبانی طور سے پہونچاتے تھے۔ اس کے لئے خاص اہتمام کرتے تھے، باہمی مفاخرہ کی مجلسیں قائم کی جاتی تھیں، مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے، چاندنی راتوں میں کھلی جگہ میں جمع ہو کر اپنے قبائل کے بہادرانہ کارنامے سنائے جاتے تھے۔ یمن اور شام سے متصل قبائل اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کرتے تھے، جب کہ عام قبائل آبائی مفاخر کے بیان میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

اسلامی دور آیا تو جاہلی، قبائلی اور نسلی جنگوں اور مفاخر کی جگہ اسلامی جہاد و غزوات نے لے لی، اور صحابہ و تابعین نے سیر و مغازی کو آبائی مجد و شرف اور اُخروی علم قرار دے کر ان کا ذکر عام کیا، امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر میں **بَابُ من حدّث مشاهده فی الحرب** کے عنوان سے صحابہ کرامؓ کی زبانی جہاد و غزوات بیان کئے ہیں۔ صحابہ کا ظاہر و باطن ایک تھا وہ اخفائے حال کا خاص خیال رکھتے تھے، اور سیر و مغازی کے بیان میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، انہوں نے اپنے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں تحدیث نعمت،

اور تبلیغ دین کا جذبہ کارفرما تھا، جاہلی دور کے اچھے کارناموں اور معرکوں کا ذکر بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی کیا کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف الفضول کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ اگر آج بھی ایسی جماعت کے لئے مجھے دعوت دی جائے تو میں اس میں شریک رہوں گا۔

آپ کے عہد میں عربوں اور کسریٰ کی فوجوں میں کوفہ اور واسط کے درمیان مقام ذی وقار میں زبردست جنگ ہوئی جس میں عربوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کے مقابلہ میں عرب کی پہلی فتح قرار دے کر فرمایا کہ یہ میرے وجود کا فیض تھا۔

یوم ذی وقار، اوّل یوم انتصفت العرب من العجم، وبی نصرُوا (۴۲)

جنگ ذی وقار پہلی جنگ ہے جس میں عربوں نے عجم پر فتح پائی، اور میری وجہ سے ان کی مدد کی گئی۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر نے کسریٰ پرویز کے خوف سے بھاگتے وقت اپنے اہل وعیال اور زرہ کو ہانی بن مسعود بن عامر شیبانی کے پاس امانت رکھا، کسریٰ پرویز نے ہانی بن مسعود سے نعمان بن منذر کے دو بیٹوں اور زرہوں کا مطالبہ کیا اس نے صاف انکار کردیا تو کسریٰ نے بنوشیبان پر فوج کشی کا حکم دیا اور شدید جنگ کے بعد بنوشیبان کو کسرائی لشکر کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عربوں کو عجمیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ (۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ وہاں ایک جماعت ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک علامہ آدمی آیا ہے، آپ نے دریافت فرمایا کہ علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ:

رجل عالم بایّام الناس، و عالم بالعربیة، و عالم بانساب العرب۔

ایسا آدمی ہے جو لوگوں کی جنگوں کا عالم ہے، عربی زبان کا عالم ہے،

اور انساب عرب کا عالم ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ علم مضر نہیں ہے، بعض روایات میں الفاظ کچھ مختلف ہیں۔(۷۴) حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں عرب کے مشہور شہ سوار اور بہادر عمرو بن معدیکرب سے زمانۂ جاہلیت کی معرکہ آرائیوں اور ایرانیوں سے جنگوں کے واقعات معلوم کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن معدیکرب کوفہ سے مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے متعدد سوالات کئے اور ان کے جوابات سُن کر دریافت کیا کہ کیا تم کبھی ایرانیوں کی ہیبت و مرعوبیت کی وجہ سے پس پا ہوئے ہو؟ عمرو بن معدیکرب نے کہا کہ واللہ میں زمانۂ جاہلیت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا ہوں، اسلام کے بعد کیسے جھوٹ بولوں گا۔ میں آپ سے ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جس کو آپ سے کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد عمرو بن معدیکرب نے نہایت تفصیل سے اہل فارس سے اپنی جنگ کے واقعات بیان کئے۔(۷۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عشاء کے بعد تہائی رات تک اخبار عرب، عرب و عجم کے ایام وحروب، گزشتہ بادشاہوں کے واقعات و حالات اور ان کی سیاست اورامم سابقہ کے احوال سنا کرتے تھے، اور رات کے آخری حصہ میں بادشاہوں کی لڑائیوں کے واقعات اور ان کے احوال سنتے تھے اس کام کے لئے خاص طور سے چند لوگ مقرر تھے جو کتابیں پڑھ کر ان کو سناتے تھے، مسعودی نے تفصیل سے حضرت معاویہؓ کے اوقات اور ان کے مشاغل بیان کئے ہیں۔(۷۶)

مغازی وسیر کی درس و تدریس: حضرات صحابہ بھی بعض اوقات اپنی مجلسوں میں جاہلی دور کے ایام عرب یعنی عربوں کی جنگوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے، ابو خالد والبیؒ کوفی متوفی ۱۰۰ھ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت خباب بن ارتؓ کے صحبت یافتہ اور عبداللہ بن عباسؓ اور جابر بن سمرہؓ سے حدیث کے راوی ہیں، امام اعمشؒ ان سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی حضرات صحابہؓ کی مجالس میں رہ چکے ہیں، وہ ان کے بارے میں اپنا مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتے ہیں۔

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نہ منقبض تھے اور نہ ان پر مردنی چھائی رہتی تھی، بلکہ اپنی مجلسوں میں اشعار سنتے سناتے تھے، اور دور

> جاہلیت کے واقعات بیان کرتے تھے، اور جب ان میں سے کسی کو اللہ کے کسی حکم کی دعوت دی جاتی تو اس کی آنکھوں میں گردش پیدا ہو جاتی تھی، جیسے وہ دیوانہ ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ حضراتؓ آپس میں اشعار سنتے سناتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی لڑائیوں کے تذکرے کیا کرتے تھے۔(۷۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس درس میں فقہ، تفسیر، مغازی، انساب کی طرح ایک دن خاص طور سے جاہلی عربوں کے ایام و وقائع کے بیان کے لئے مقرر تھا، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ کا بیان ہے۔

> حضرت ابن عباس اپنی مجلس درس میں ایک دن صرف فقہ، ایک دن صرف تفسیر، ایک دن صرف مغازی اور ایک دن اشعار، اور ایک دن صرف ایام عرب بیان کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کچھ لوگ ابن عباس کے درس میں اشعار کے لئے کچھ لوگ انساب کے لئے اور کچھ لوگ عربوں کے ایام و وقائع کے لئے آتے تھے۔ کچھ لوگ آپ کی مجلس درس میں عربوں کی جنگوں کا تذکرہ سننے کے لئے آتے تھے۔(۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلمیذ رشید اور علم و عمل میں ان کے مثنیٰ علقمہ بن قیسؒ اپنے حلقہ درس میں جب طلبہ کے اندر نشاط دیکھتے تو ان کو ایام عرب کی داستانیں سنانے لگتے تھے۔

> علقمہ جب جماعت میں نشاط دیکھتے تو ایام عرب کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔(۷۹)

حضرت عقیل بن ابوطالبؓ اپنے زمانہ میں قریش کے سب سے بڑے ماہر انساب اور ان کی لڑائیوں کے عالم تھے۔

> ان کے لئے مسجد نبوی ﷺ میں تکیہ لگایا جاتا تھا اور لوگ نسب اور ایام عرب سننے کے لئے ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔(۸۰)

> عاصم بن عمرو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ جامع دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کے سامنے مغازی اور مناقب صحابہؓ بیان کریں اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔(۸۱)

مسجدوں میں عام دینی درس و مذاکرہ کی طرح مغازی کا مستقل حلقہ درس قائم ہوتا تھا جس میں خاص طور سے علم مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی، اور اہل علم اس میں شریک ہوتے تھے۔

مشہور امام مغازی واقدی مسجد نبوی ﷺ میں باقاعدہ مغازی کا درس دیا کرتے تھے۔ سمتی کا بیان ہے کہ ہم نے واقدی کو دیکھا کہ مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں، ہم نے پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ جُزءٌ مِنَ المغَازی یعنی مغازی کے ایک جزء کا۔(۸۲)

علم السیر والمغازی کا حدیث سے تعلق: علم السیر والمغازی علم حدیث ہی کا ایک اہم حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و افعال اور مقررات سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق غزوات و سرایا سے ہے، امام ابوعبداللہ حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں ذکر النوع الثامن کے ذیل میں لکھا ہے۔

> علوم حدیث کی اقسام میں سے اڑتالیسویں قسم ان امور کی معرفت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا و بعثات اور مشرک بادشاہوں کے نام آپ کے خطوط میں کیا صحیح ہے کیا صحیح نہیں ہے، اور ان غزوات میں آپ کے سامنے صحابہؓ میں سے ہر ایک نے کیا کارنامہ انجام دیا، کون ثابت قدم رہا، کس نے راہِ فرار اختیار کی، اور کس نے دین پر عمل کر کے آپ کی نصرت کی اور کون منافق تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت کو کیسے تقسیم فرمایا، کس کو زیادہ دیا، کس کو کم دیا، اور دو تین مجاہدین میں ایک مقتول کے سلب کے بارے میں کیا کیا اور غلول میں حد کیسے جاری کی۔ علوم حدیث کی یہ قسم اس قدر اہم ہے کہ کوئی عالم اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا

ہے۔(۸۳)

خطیب بغدادی نے بھی سیر و مغازی رسول کو علم حدیث میں شامل کیا ہے اور شرف اصحاب الحدیث میں لکھا ہے کہ حدیث میں انبیاء کے واقعات، زہاد اور اولیاء کے احوال بلغاء کے مواعظ، فقہاء کے کلام، عرب وعجم کے بادشاہوں کی سیرتیں، اُمم ماضیہ کے قصے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا کی تفصیلات، آپ کے احکام وقضایا، خطبے، مواعظ، معجزات، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، اولاد و اصحابؓ اور ان کے فضائل و مناقب، انساب و اعمار کا ذکر ہوتا ہے۔(۸۴)

تدوین حدیث کا آغاز: جب پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کی ابتداء میں احادیث کی تدوین و تالیف کے ساتھ ان کی تبویب و ترتیب شروع ہوئی اور احکام کے استخراج واستنباط کی باری آئی تو محدثین میں مختلف انداز پر کام ہونے لگا، ایک جماعت نے روایت و درایت کے اصول پر احادیث و آثار کو جمع کیا، یہ اصحاب الحدیث اور محدثین کہلائے ایک طبقہ نے ان احادیث وآثار سے تفقہ و افتاء کے اصول پر احکام و مسائل اور فتاوے مرتب کئے یہ اصحاب الفقہ والفتوی اور فقہاء کے لقب سے یاد کئے گئے اور ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مغازی و سرایا کو مدون کیا، یہ اخباری، مورخ اصحاب السیر والمغازی کہلائے، اور سب سے اپنے اپنے حلقہ میں اپنے کاموں کو آگے بڑھایا، اصحاب الحدیث اور اصحاب السیر والمغازی میں بعض باتوں میں فرق ہے۔ مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ نے ''اصح السیر'' کے مقدمہ میں اس فرق کو نہایت اچھے انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

اصحاب حدیث تین امور کو جمع کرتے ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ (۲) آپ نے کیا کیا، (۳) آپ کے سامنے یا آپ کے وقت میں کیا کیا گیا؟ اصحاب سیرت بھی ان ہی تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس لئے اصل کام دونوں کا ایک ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا ہے۔ احکام کی بحث ضمناً ہوتی ہے۔

اس لئے محدثین کی تمام تر قوت اس بحث میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ اور اصحاب سیرت کو اسی کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے کب ایسا کہا، یا کب کیا، دوسرے یہ کہ ایسا کہنے یا ایسا کرنے کی کیا وجہ تھی؟ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔

اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں۔ اور معیار تحقیق دونوں کا جُدا جُدا ہوگیا، محدثین رُواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی پر مقبول راویوں کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں، اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرت دونوں ایسے راویوں کی روایت کو قبول نہیں کرتے جو جھوٹے ہوں، یا جن پر جرح شدید ہوئی ہو۔

اصحاب سیر اور اصحاب حدیث دو جماعت نہیں ہیں، بلکہ جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں۔ اسی طرح جو اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی ہیں، مگر جب سیرت پر واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرت کے مقاصد پورے کرنے پڑتے ہیں تو تحدیث و روایت کے شرائط اور وجہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ مغازی کے واقعات دونوں لکھتے ہیں مگر دونوں کے لکھنے میں فرق ہوتا ہے، مثلاً فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے، اس لئے آپ نے حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا، لیکن اصحاب سیرت یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ معاہدہ کتنا اہم تھا، بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ عرصہ سے چل رہی تھی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے یہ جنگ رُک گئی تھی، قریش نے عہد توڑ کر پھر اس جنگ کو مشتعل کر دیا تھا۔

الغرض محدثین کے یہاں جو صحیح روایتیں ہیں اصحاب سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے۔ لیکن ان کو اپنی ضروریات کے لئے اور روایتیں بھی لینی پڑتی ہیں جن کے لئے وہ اپنا معیار الگ قائم کرتے ہیں، بلاشبہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں شدید احتیاط کے باوجود بہت سی غلط اور موضوع روایتیں داخل ہوگئی ہیں، سیرت میں بھی اسی طرح بہت سی موضوعات ہیں اگر ان کو خارج کر دیا جائے تو دنیا کی کسی قوم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ

نہیں کرسکتی ہے، اس لئے کہ اور کہیں نہ سند ہے اور نہ موضوعات کو جدا کیا جاسکتا ہے۔(۸۵)

صحابہؓ کے بعد تابعینؒ یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور ہے۔ جنہوں نے احادیث وآثار اور سیر ومغازی کے واقعات اپنے خاندانی بزرگوں اور استادوں سے روایت کئے، ان میں انصار ومہاجرین کی اولاد میں نسبۃً علم زیادہ رہا، ان کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا جنہوں نے صحابہؓ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا، سیر ومغازی کا تمام تر سرمایہ ان ہی اکابر واصاغر صحابہؓ، تابعین، اور تبع تابعین کی روایت سے جمع ہوا ہے۔(۸۶)

سیرت ومغازی سے خواتین کی دلچسپی: احادیث وآثار کی تدوین سے پہلے یہ تمام حضرات جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شامل ہیں، اپنے گھروں، بال بچوں، رشتہ داروں، مسجدوں، محلوں، قبیلوں اور تعلیمی وتدریسی مجلسوں میں سیر ومغازی کے واقعات موقع کی مناسبت سے بیان کیا کرتے تھے، اور جب جمع وتدوین کا دور آیا تو ان کی روایتوں کو اصحاب سیر ومغازی نے مدوّن ومرتب کیا، اور اپنے مقاصد کے پیش نظر روایتی معیار میں محدثین کے مقابلہ میں نرمی سے کام لیا۔

ابتداء میں عورتوں کو غزوات میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک صحابیہ حضرت ام کبشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا:

اجلسي لایتحدث الناس ان محمداً یغزو بامراۃ۔

تم بیٹھ جاؤ، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ عورت کو لے کر جنگ کرتے ہیں۔(۸۷)

اسی لئے ابتدائی غزوات میں صحابیات کی شرکت نہیں ہوسکی مگر غلبۂ اسلام کے بعد ان کو اس کی اجازت مل گئی اور عورتیں جہاد میں عام طور سے زخمیوں اور مریضوں کی خدمت کرتی تھیں اور پانی پلاتی تھیں اور بعض صحابیات نے جہاد میں حصہ لے کر شاندار بہادرانہ خدمات انجام دی ہیں، ان مجاہدات وغازیات نے بعد میں اپنے واقعات بیان کئے، ان کی تحقیق کی، باہمی مذاکرہ کیا، اور جب سیر ومغازی کی تالیف وتدوین کا دور آیا تو ان کی

روایات سے کام لیا گیا۔

حضرت اُمیہ بنت قیس غفاریہؓ نے ایک مرتبہ عورتوں کے مجمع میں غزوۂ خیبر میں اپنی شرکت کا واقعہ یوں بیان کیا کہ قبیلہ غفار کی چند عورتوں کے ساتھ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں نکلنا چاہتی ہیں ہم اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق مجاہدوں کی مدد کریں گی، آپ نے فرمایا علی برکۃ اللّٰہِ اور شرکت کی اجازت دیدی، اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی، راستہ میں مجھے نسوانی کیفیت پیش آ گئی، آپ ﷺ نے پانی میں نمک ملا کر غسل کا حکم دیا، اور جب خیبر فتح ہو گیا تو مجھے فئے سے حصہ دیا۔

یہ کہہ کر امیہ بنت قیس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنے گلے کا ہار پکڑ کر کہا کہ یہ ہار جس کو آپ سب دیکھ رہی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اور اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا ہے، واللہ یہ ہار میری گردن سے کبھی جدا نہیں ہوگا، چنانچہ وہ زندگی بھر اس کو پہنے رہیں اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ ہار ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جائے، اسی طرح اپنی میت کے غسل کے پانی میں نمک ملانے کی وصیت کی، ان کا معمول تھا کہ جب غسل کرتیں تو پانی میں نمک ملا لیتی تھیں۔ (۸۸)

ام سعد جمیلہ بنت سعد بن ربیع خزرجیہؓ اپنے باپ کی تنہا اولاد تھیں، ان کی والدہ عمرہ بنت حزم بن زیدؓ غزوۂ خندق میں شریک تھیں، اس وقت جمیلہ صرف دو سال کی تھیں، ہوش سنبھالنے کے بعد ان کی والدہ غزوۂ خندق کے واقعات ان سے بیان کرتی تھیں، ان کا بیان ہے۔

انا یوم الخندق ابنۃ سنتین، و کانت امّی تخبرنی بعد ان ادرکت عن امرھم فی الخندق۔ (۸۹)

میں غزوۂ خندق میں دو سال کی تھی، میرے ہوش سنبھالنے کے بعد والدہ غزوۂ خندق میں مجاہدین کے واقعات مجھ سے بیان کرتی تھیں۔

ان ہی میں ام سعد جمیلہ بنت سعد کا بیان ہے کہ میں امّ عمارہ نسیبہ بنت کعب بن عمرو کے یہاں گئی اور کہا کہ خالہ! غزوۂ احد میں آپ نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کریں،

انہوں نے بتایا کہ میں سویرے ہی احد کی طرف چلی گئی تھی، میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا، اس وقت لڑائی ہو رہی تھی، مسلمانوں کا حال اچھا تھا، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور جب نقشہ بدل گیا تو میں جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، اور آپ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے لگی۔

ام سعد جمیلہ کہتی ہیں کہ میں نے ام عمارہ کے مونڈھے پر گہرے زخم کا نشان دیکھ کر پوچھا یہ زخم کیسے لگا؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن قمیہ نے تنہا پا کر گستاخی کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر مصعب بن عمیرؓ ایک جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ میں آ گئے، میں بھی ان ہی لوگوں میں تھی، میرا یہ زخم ابن قمیہ کے وار کا ہے، اس زخم کے باوجود میں نے اس پر مسلسل حملہ کیا مگر دشمن کے بدن پر دوہری زرہ تھی۔(۹۰)

خواتین کی اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے مجاہد، عالم اور محدث پیدا ہوئے۔

سیر و مغازی کی تحقیق و تفتیش: صحابہؓ و صحابیات کرامؓ کی سیرت سے دلچسپی دراصل قرآنی حکم کی تعمیل کا مظہر ہے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَا تَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ٥ (۹۱)

اے نبی (ﷺ)، آپ لوگوں سے کہہ دیجئے، اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اس پر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ٥ (۹۲)

بلاشبہ مسلمانو! تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال سیکھنی تھی بالخصوص اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اور قیامت کے دن کا خوف رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی نوید صحابہؓ کے

جذبوں کو مہمیز کرتی اور وہ رات دن سیرت النبی ﷺ کو اپنا موضوع بنائے رکھتے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ سیر و مغازی کے موضوع پر آپس میں تحقیق کرتے ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے، اور بوقت ضرورت اس کے لئے سفر کرتے تھے، حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی، اور ان سے ایک روایت میں ہے کہ جن صحابہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی جنہوں نے دریا پار کیا تھا، یعنی تین سو دس سے کچھ زائد۔ (۹۳)

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں بنی عبدالمطلب کی مجلس میں گیا، اور ان کے بڑے بوڑھوں سے پوچھا کہ غزوۂ بدر میں آپ لوگوں میں سے کتنے افراد گرفتار ہوئے تھے؟ انہوں نے عباس، عقیل، حارث بن نوفل کے نام لئے۔ (۹۴)

نیز ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن یزیدؓ نے نماز استسقاء پڑھی، اس میں زید بن ارقمؓ بھی شامل تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور ان میں سے کتنے غزوات میں آپ شریک تھے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کی تعداد انیس ہے اور میں سات غزوات میں شریک رہا ہوں، پھر پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کون سا غزوہ فرمایا، انہوں نے بتایا کہ ذات السیر یا ذات العشیر۔ (۹۵)

اسحاق بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے صاحبزادے موسیٰ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور آپ کے والد نے کتنے میں شرکت کی؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے ستائیس غزوات کئے ہیں۔ آٹھ غزوات میں محققین کا اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں کتنے غزوات ہوئے؟ اور کتنے میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے؟ موسیٰ بن انس کی رائے ہے ۲۷ غزوات ہوئے (۹۶) بریدہ سے ۱۶ کی روایت بعض نے ۱۹ ابن اسحٰق نے ۳۸ ابن سعد نے ۲۷ بیان کی ہے۔ (۹۷)

صحیح بخاری اور مسلم نے ابو اسحٰق سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انیس غزوات، پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ ان میں سے کتنے غزوات میں شریک رہے؟ انہوں

نے کہا کہ سترہ غزوات میں، میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کون سا غزوہ تھا؟ انہوں نے بتایا کہ غزوۂ عشیرہ۔(۹۸)

ابوحازم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس دوا سے کیا گیا، اس وقت مدینہ میں آخری صحابی حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ زندہ تھے، لوگوں نے ان کی خدمت میں جاکر اس کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ غزوۂ احد کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی باقی نہیں رہا، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے خون دھوتی تھیں، حضرت علیؓ ڈھال سے پانی گراتے تھے اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ کا زخم بھرا گیا۔(۹۹)

یونس بن عبید کا بیان ہے کہ میرے آقا محمد بن قاسم نے مجھ کو حضرت براء بن عازبؓ کے پاس اس بات کی تحقیق کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کس چیز کا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ سیاہ کمبل کے چوکور ٹکڑے کا تھا۔(۱۰۰)

حضرت جابر بن عبداللہؓ بڑھاپے میں جب کہ آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ تم لوگ رُوئے زمین کے بہترین لوگ ہو، اس وقت ہماری تعداد ۱۴۰۰ ر چودہ سو تھی، اس کے بعد حضرت جابرؓ نے کہا:

لو کنتُ ابصر الیوم لأرَ یتُکم مکان الشجرۃ۔(۱۰۱)

اگر آج میری بینائی ہوتی تو میں تم لوگوں کو بیعت رضوان والے درخت کی جگہ دکھا دیتا۔

اسی تحقیق وتفتیش کے ساتھ سیرت و مغازی کو محفوظ کیا گیا۔ یہی وجہ ہے خود امام احمد کہتے تھے کہ لوگ مغازی موسیٰ بن عقبہ حاصل کرو، وہ ثقہ ہیں۔(۱۰۲)

اور ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل ہر جمعہ کو ابن سعد کے یہاں سے واقدی کی کتابوں کے دو جزء منگا کر دیکھتے تھے، اور دوسرے جمعہ کو ان کو واپس کرکے دوسرے دو جزء منگاتے اور دیکھتے تھے۔(۱۰۳) امام احمد کا یہ بھی قول ہے کہ ابن اسحاق سے

مغازی حاصل کی جائے، البتہ حلال وحرام میں احتیاط کی جائے۔(۱۰۴)

امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

من ارادالمغازی فالمدینة ومن ارادالمناسک فمکة ومن اراد الفقه فالکوفة ویلزم اصحاب ابی حنیفة(۱۰۵)

جو مغازی سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے مدینہ ہے اور جو مناسک حج سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے مکہ ہے اور جو فقہ سیکھنے کا ارادہ کرے اس کے لئے کوفہ ہے ابوحنیفہ کے تلامذہ سے سیکھے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ مدینہ غزوات وسرایا کا مرکز ہے، یہاں سیر ومغازی کے اوّلین علماء و مصنفین ہیں اور یہیں سے فن مغازی کی تدوین و تالیف کی ابتداء ہوئی ہے دوسرے شہروں کے علماء مغازی اور مصنفین کا سلسلہ یہیں کے علماء وراۃ سے ملتا ہے۔

اہم سیرت نگاروں کا تذکرہ: بعض صحابہ کرامؓ جنہوں نے سیر ومغازی کے فروغ میں خصوصی کردار ادا کیا، ان میں سے کچھ کا تذکرہ آپ نے ملاحظہ کیا ان کی ایک فہرست ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے سیرت ابن اسحٰق کے مقدمہ میں ایک مستشرق ومستفلد کی کتاب ''مورخی العرب'' سے کم وبیش ۲۷ حضرات کے نام نقل کئے ہیں جو ابن اسحٰق سے قبل اس فن میں اپنی جولانیاں دکھا چکے تھے اور پھر لکھا ہے کہ اب جو کچھ سامنے آچکا ہے اس کی روشنی میں اس سے زائد نام ممکن ہیں۔

پہلے وہ ۲۷ نام ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
۲۔ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
۳۔ مخرمہ نوفلؓ،
۴۔ وغفل بن منظلہ السدوسی،
۵۔ عبید بن شریہ الجرہمی،
۶۔ ابوکلاب دغفل لسان الحمرہ،
۷۔ الحطیف بن زید بن جعونہ،
۸۔ زید بن کیاس الغمری،
۹۔ ابن الکواء یشکری،
۱۰۔ یزید بن بکیر بن داب وابناہ عیسیٰ ویحییٰ،
۱۱۔ علاقہ بن کریم الکلابی،
۱۲۔ صحار بن عباس (یا عیاس) الکلابی،

۱۳۔ عروہ بن الزبیر، ۱۴۔ صالح بن عمران الصغرئی،
۱۵۔ عامر الشعبی، ۱۶۔ وہب بن منبہ،
۱۷۔ قتادہ بن و عامہ السدوسی، ۱۸۔ ابن شہاب الزہری،
۱۹۔ ابومخنف لوط، ۲۰۔ شبیل بن عروہ (عزرہ) الضبعی،
۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ، ۲۲۔ ابوعمیر مجالد بن سعید الہمدانی،
۲۳۔ شرقی بن قطامی، ۲۴۔ طریف بن طارق المدنی،
۲۵۔ عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ المتوف، ۲۶۔ معد بن السائب الکلبی،
۲۷۔ عوانہ بن الحکم۔

اس پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے مزید چھ ناموں کا اضافہ کیا۔

۱۔ ابان بن عثمان بن عفان، ۲۔ عاصم بن عمر بن قتادہ،
۳۔ شرجیل بنسعد، ۴۔ ابوالاسود یتیم عروہ،
۵۔ سلیمان بن طران التیمی، ۶۔ ولید بن کثیر المخزومی۔ (۱۰۶)

سیر و مغازی پر تصنیف و تالیف کا آغاز: جس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کے بارے میں تحقیق و تلاشِ جاری تھی، احادیث و آثار کی تحدیث و روایت ہو رہی تھی اور سیر و مغازی کا عام چرچا تھا، حضرت معاویہؓ (۴۱ھ تا ۵۹ھ) نے عبید بن شریہ جرہمی کو یمن کے شہر صنعاء سے دمشق بلا کر کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھوائی، جس کا انداز افسانوی تھا اور اس میں سوال و جواب کی صورت میں ملوک حمیر اور گزشتہ قوموں کے واقعات تھے، نیز عبید بن شریہ نے ایک اور کتاب الامثال لکھی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، مگر لقا نہ ہو سکا، اس کتاب کے لکھنے کے بعد کم و بیش پچیس سال تک وہ بقید حیات رہ کر عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔ (۱۰۷)

اسی زمانہ میں زیاد ابن ابیہ نے مثالب و مطاعن میں ایک کتاب لکھ کر اپنے لڑکوں کو دی اور کہا کہ اگر عرب تمہارے حسب و نسب پر نکیر کریں تو تم لوگ اس کتاب سے کام لے کر ان کو خاموش کر دینا، اور صحار بن عباس عبدی جو عہد معاویہ کے ماہر انساب اور مشہور خطیب تھے، انہوں نے بھی کتاب الامثال لکھی تھی۔ (۱۰۸)

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کی خصوصی توجہ سے لکھی جانے والی کتاب الملوک و اخبار الماضیین کو عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی خاص طور پر یمن کے قحطانی عربوں نے حجاز کے عدنانی عربوں کے سامنے اس کتاب کو آبائی مفاخر و محاسن کے طور پر پیش کیا ہوگا ہوسکتا ہے کہ سیر و مغازی کی تدوین کے دواعی و محرکات میں یہ صورت حال بھی شامل رہی ہو اور مدینہ میں عروہ بن زبیر اسدی، ابان بن عثمان اموی اور محمد بن شہاب زہری نے اور عبید بن شریہ کے وطن صنعاء میں وہب بن منبہ ابناوی نے ایک ہی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات پر کتابیں تصنیف کی ہوں۔ ان تصنیفات کا مقصد لوگوں کو غیر مفید لٹریچر سے بچانا بھی تھا جیسے حضرت عمرؓ کا آپ ؐ کے سامنے ایک کتاب کی تلاوت کرنے اور آپ کا غضب ناک ہونا نقل کیا گیا ہے اسی طرح ایک شخص کوفہ میں حضرت دانیال علیہ کی کتابیں پڑھتا اور سناتا تھا حضرت عمرؓ نے اسے تنبیہ کی (۱۰۹) قاضی اطہرؒ صاحب کی رائے ہے۔

جب ان ائمہ سیر و مغازی نے لوگوں کا رجحان غیروں کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و مغازی کو مدوّن کیا اور ان کی کتابیں عوام و خواص میں یوں مقبول اور متداول ہوئیں کہ ان کی توجہ لایعنی اور بے مقصد قصے کہانی کی کتابوں سے ہٹ کر سیر و مغازی کی کتابوں کی طرف مبذول ہوگئی۔(۱۱۰) چنانچہ محمد بن اسحاق کے متعلق محدث ابن عدی کا قول ہے، کہ اگر ان کا صرف یہی کارنامہ ہوتا کہ انہوں نے امراء و سلاطین کی توجہ غیر مقصدی کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ علیہ وسلم کے مغازی پر لگادی تو ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا۔(۱۱۱) خلیفہ ابوجعفر منصور نے نجومیوں کو دربار میں سیوطی سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے لکھتے ہیں۔ سریانی اور عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے جن کو پڑھ کر لوگ ان پر فریفتہ ہوگئے، یہ دیکھ کر محمد بن اسحاق نے کتاب المغازی لکھی۔(۱۱۲)

قاضی اطہرؒ لکھتے ہیں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مدینہ منورہ میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور محمد ابن شہاب زہری نے اپنی صوابدید اور احوال و ظروف کے پیش نظر اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، اس میں کسی خلیفہ یا امیر کے حکم یا خواہش کو دخل نہیں تھا یہ ضرور ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عروہ بن زبیر سے غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے بارے میں تحریری تفصیل حاصل کی اور اس کے صاحبزادے سلیمان بن عبدالملک نے ۸۲ھ میں ابان بن

عثمان سے مغازی پر کتاب لکھنے کی خواہش کی، مگر ان دونوں خلیفہ اور خلیفہ زادے سے پہلے ہی عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان اپنی اپنی کتاب المغازی مرتب کر چکے تھے۔ عروہ بن زبیر کی تمام کتابیں جن میں کتاب المغازی بھی تھی، ۶۳ھ میں واقعہ حرہ میں نذر آتش ہوگئی تھیں، جس کا افسوس انہیں زندگی بھر رہا اور ابان بن عثمان نے سلیمان بن عبدالملک کی خواہش پر بتایا کہ انہوں نے پہلے ہی نہایت مستند طریقہ پر کتاب المغازی مرتب کر لی ہے۔(۱۱۳) یہ کتابیں ایسے دور میں لکھی گئیں جس میں باقاعدہ تصنیف و تدوین کا رواج نہیں تھا، صحابہ اور تابعین کے پاس احادیث کے صحیفے اور نسخے غیر مرتب شکل میں موجود تھے، پہلی صدی کی انتہاء اور دوسری صدی کی ابتداء میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث و آثار جمع کئے گئے اور دوسری صدی کے نصف میں فقہی ترتیب و تبویب پر عالم اسلام کے مرکزی شہروں میں کتابیں لکھی گئیں اور باقاعدہ تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں علم المغازی پر کتابیں لکھی گئیں۔

یہ کتابیں اپنی ابتدائی شکل میں باقی نہ رہ سکیں، البتہ ان کی روایتیں حدیث اور سیر مغازی کی کتابوں میں آ گئی ہیں، عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ۶۳ھ میں واقعۂ حرۃ میں نذر آتش ہوگئی، ان کے تلامذہ میں ابوالاسود یتیم عروہ نے آخر عمر میں مصر جا کر اس کی روایت کی، نیز دوسرے تلامذہ کے ذریعہ اس کی بہت سی روایات محفوظ ہیں، ابوالاسود کی روایت کا ایک معتد بہ حصہ یکجا ہو کر چھپ گیا ہے۔

ابان بن عثمان کی کتاب المغازی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عتاب کی وجہ سے ضائع کر دی گئی، اور عام طور سے اس کی روایت بھی نہ ہو سکی، صرف مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی نے جرأت کر کے اس کی روایت کی اور اپنے شاگردوں کو اس کے پڑھنے کی تاکید کی، کتب مغازی میں ابان بن عثمان کی گنی چنی چند روایتیں ملتی ہیں اور تتبع و تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی کئی روایتیں ان کے نام لئے بغیر بیان کی گئی ہیں، اس اعتبار سے ابان بن عثمان بن مظلوم ہیں۔

محمد بن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا اکثر و بیشتر حصہ ان کے تلامذہ نے اپنی کتابوں میں لے لیا ہے، خاص طور سے موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد اپنے استاد کی روایات کے امین ہیں، نیز دوسرے علماء سیر و مغازی نے بھی اپنی کتابوں میں زہری

کی روایات کثرت سے لی ہیں اور معمر بن راشد کی روایات مصنف عبدالرزاق کی کتاب المغازی میں اس کثرت سے ہیں کہ گویا وہ ابن شہاب کی کتاب المغازی ہے۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں: یہ طے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں احادیث نبویہ کا معتدبہ معرض کتاب میں آ گیا تھا۔ دعوت و داعی کی حیثیت سے یہ ذخیرہ بہت وافی تھا تاہم اس میں حصہ سیرت ضمنی تھا۔ یہاں بعض جزئی حوادث و وقائع بھی لکھے گئے جن کا تعلق سیرت نبویہ سے ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ صحابہ میں سے بعض حضرات نے اس طرح کی جزئیات کو باقاعدہ لکھا۔ جو وفود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ان تک کے کوائف ملتے ہیں۔ مثلاً ابی عمرو بن حریت العذری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آبا و اجداد کے پاس ایک کتاب دیکھی جس میں صفر ۹ھ میں وفد کی شکل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کے کوائف تھے۔ اس وفد میں ۱۲ افراد تھے۔ من جملہ دوسرے حضرات کے حمزہ بن النعمان العذری بھی تھے۔

حبیب بن عمرو السلامانی کہتے ہیں کہ سلامان کا وفد سات افراد پر مشتمل خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے باہر سے ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر ایک جنازہ بھی آپ نے اس طرح پڑھایا۔ اور پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا علمی طور پر سیرت نبوی ﷺ کا اہتمام زیادہ ہونے لگا۔ (۱۱۴)

قرون اولیٰ کے چند ابتدائی اہم سیرت نگاروں کی حیات و نگارشات

سیرت طیبہ ﷺ کو جن شخصیات نے موضوع بنایا ان میں سے یہاں میں زیادہ تر ان افراد کے تذکرہ پر اکتفاء کروں گا جن کا بیشتر سیرت نگاروں نے تذکرہ نہیں کیا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی اور محمد فواد سزگین کی تحقیقات سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ): حضرت عبداللہ بن عباس المغازی کی تدریس کے سلسلے میں تخصیص کے مقام کے حامل تھے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کی

مجلس تدریس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ آپ شام کا پورا وقت ہمارے سامنے مغازی بیان کرتے۔ انہوں نے اس میں اتنا لکھا کہ وہ ایک اونٹ کا بوجھ بن سکتا تھا۔ یہ سرمایہ آپ کے خادم کریب کے پاس تھا جو انہوں نے مشہور صاحب مغازی موسیٰ بن عقبہ کے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ گو اس سلسلے میں حتمی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ان کی اس سلسلے میں کوئی کتاب ہے تاہم ہمارا قلبی میلان اس طرف ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرآن کریم کی آیت:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا الخ (۱۱۵)

کی تفسیر کے ضمن میں الشعبی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے سلسلے میں لکھا، چنانچہ الشعبی کہتے ہیں کہ:

> ہمیں اکثر اس آیت کے سلسلے میں سابقہ پیش آتا تو میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لکھا، انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں اس طرح نسب رکھتے تھے کہ قریش کا ہر قبیلہ کسی نہ کسی طور سے آپ سے تعلق رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قریش کے مختلف قبائل کو اس طرف توجہ دلائی کہ رسول اکرم سے قرابت کا حق ادا کرو اور اس سلسلے کے حقوق کی حفاظت کرو۔ (۱۱۶)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص (م ۶۳۰ھ): آپ ایسے جلیل المرتبت صحابی ہیں جو عمر کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عباس سے بڑے ہیں اور اسلام کے اعتبار سے قدیم! آپ نے بہت سے غزوات اور دوسرے واقعات و حوادث کا سیرت کے متعلق تحریری سرمایہ فراہم کیا۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت و کتابت اور انہیں کتابی شکل دینے میں ان کی شہرت معلوم ہے اور "صحیفہ صادقہ" ان کی معروف جمع تدوین شدہ کتاب ہے۔

سریانی زبان کو خوب جانتے تھے، اسے پڑھ سکتے، اس میں لکھ سکتے تھے۔ آپ نے مختلف

امور پر تحریرات لکھیں لیکن یہ بات کہ آپ نے المغازی میں کچھ مرتب کیا؟ ایک ایسا سوال ہے، جس کا جواب مطلوب ہے؟ اس کا جواب عمرو بن شعیب عن رابیہ عن جدہ کی مرویات کی تدریس میں ملتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے ان کی کتابیں روایت کیں، لیکن بعض محدثین نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صحیفے کے راوی و جادہ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کے بقول عمرو بن شعیب سے عن ابیہ اور ابن جریج نے جو روایت کی وہ تو سب صحیح ہے، اور جو کچھ عمرو عن ابیہ عن جدہ نے روایت کیا اس میں ضعف ہے۔ امام ترمذی نے ضعف کا سبب یہ بتایا کہ انہوں نے یہ روایات اپنے دادا سے نہیں سنیں۔ (۱۱۷)

۳۔ براء بن عازبؓ (م ۴۷ھ): آپ نے مغازی رسول اللہ ﷺ کے متعلق بہت کچھ املا کرایا۔ امام وکیع نے اپنے والد عبداللہ بن حنش سے نقل کیا کہ انہوں نے کانے کی چھال پر تحریری سرمایہ حضرت البراء کے پاس دیکھا۔ اور صرف صحیح بخاری کی مراجعت سے یہ تصدیق ہو سکی ہے۔ ابو اسحٰق السبیعی (۱۲۷:۲۹ھ) نے حضرت ابراء بن عازب سے اس سلسلے میں بہت کچھ نقل کیا ہے۔ السبیعی نے آپ سے جو نقل کیا اس کی تفصیل درج ذیل عنوانات کی شکل میں بخاری میں موجود ہے۔ ہجرت صحابہ الی المدینہ۔ (۱۱۸)

ہجرت رسول ﷺ (۱۱۹) غزوۂ بدر (۱۲۰) غزوہ احد (۱۲۱) قتل اَبی رافع یہودی (۱۲۲) غزوہ خندق (۱۲۳) صلح حدیبیہ (۱۲۴) عمرۃ القضاء (۱۲۵) فتح مکہ (۱۲۶) غزوہ حنین (۱۲۷)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت البرا نے مغازی کے سلسلے میں بہت سی معلومات فراہم کیں گو کہ یہ کہنا ممکن نہیں کہ آپ نے باقاعدہ کوئی کتاب مرتب کی تاہم اس سلسلے میں املا کی روایت سے اس کی ترجیح ضرور سامنے آتی ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہم حتمی طور پر اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ کیونکہ زبانی روایات کا اس دور میں بہت رواج تھا۔

۴۔ سعید بن سعد بن عبادۃ الخزرجی: بیشتر مورخین سعید بن سعد کو ان کے والد کی طرح صحابی سمجھتے ہیں۔ ان کے والد زمانہ جاہلیت میں تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے اکامل کہلاتے تھے۔ ہماری معلومات کے مطابق حضرت سعیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں پیدا ہوئے، لیکن شرف ملاقات سے مشرف نہ ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت سعید نے اوائل عمر ہی سے آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات لکھنے شروع کر دیئے تھے۔(۱۲۸) ان کی کتاب اوائل عہد عباسی تک ان کے پوتے سعید بن عمرو کے پاس محفوظ تھی۔(۱۲۹) اس کتاب کے بعض حصے مسند احمد بن حنبل (۱۳۰) اور مسند ابی عوانہ میں پائے جاتے ہیں۔(۱۳۱) ابوعوانہ سعد بن سعید بن ابوعبادہ کا اکثر حوالہ دیتے ہیں۔ تاریخ الطبری میں بھی بعض عبارتیں منقول ہیں۔(۱۳۲) ہمیں حضرت سعیدؓ کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

حضرت سعید کے بیٹے شرجیل نے سو برس کی عمر میں ۱۲۳ھ/۷۴۰ء میں وفات پائی۔ وہ المغازی کے مولف تھے۔

۵۔ سہل بن ابی خثمہ (م ۴۱ھ): سہل بن ابی خثمہ مدنی اور انصاری تھے۔ ان کا لقب ابو یحییٰ یا ابو محمد تھا۔ وہ ۲ھ/۶۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوائل شباب ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات اور ان کے مغازی کی تدوین و تالیف میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان کی مغازی کی بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پوتے یا پڑپوتے، محمد ابن یحییٰ بن سہیل کے پاس ان کی مغازی کا نسخہ تھا۔(۱۳۳) ان میں سے بعض ٹکڑے الواقدی کی المغازی میں ملتے ہیں۔(۱۳۴) اس کے علاوہ اقتباسات البلاذری (۱۳۵) تاریخ الطبری (۱۳۶) ۱/۱۲۶۴، ۱۶۰۹، ۱۷۵۷، ۱۷۸۲، ۱۷۹۲ اور طبقات ابن سعد (۱۳۷) میں ملتے ہیں۔ سہل بن ابی خثمہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد وفات میں ۴۶ھ/۶۲۱ء میں وفات پائی، ان سے ان کے بیٹے محمد، بھانجے محمد بن سلیمان بشیر بن یساء الانصاری، نافع بن خبیر بن مطعم وعروہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ الزہری کو ان سے براہ راست روایت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

۶۔ سعید بن المسیب (م ۹۴ھ): ابو محمد سعید بن المسیب بن حزن المخزومی ۱۲ھ/۶۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ماہر انساب، مورخ، محدث اور فقیہ تھے اور حضرت عمر فاروقؓ کی فقہ پر اعتماد کرتے ہوئے فتاویٰ دیا کرتے تھے، اس لئے ان کو حضرت عمرؓ کا راوی کہا جاتا ہے۔ ان کے تلامذہ میں الزہری، قتادہ، حضرت عمرؓ کے پوتے محمد بن عبداللہ اور سالم وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت سعید نے ۹۴ھ/۷۱۳ء میں وفات پائی۔ الطرق نے حضرت سعید کی

مغازی اور الفتوح اور سیرت نبوی ﷺ سے بہت استفادہ کیا ہے۔(۱۳۸)

۷۔عبید اللہ بن کعب (م ۹۷ھ) : ابو فضالہ عبید اللہ بن کعب بن مالک الانصاری حتقد مین تابعین میں سے ہیں۔ ہمیں ان کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہوسکی۔ انہوں نے ۹۷ھ/۷۱۵ء میں انتقال کیا۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جبکہ خود ان سے امام زہری اور ان کے بھائی سعید وغیرہ محدث کی روایت کرتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ اکابر علمائے انصار سے ہیں اور بعض نامور مولفین مغازی ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ تاریخ الطبری میں ان کے اقتباسات ملتے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن اسحاق نے عبیداللہ بن کعب کی کتاب المغازی سے بھی استفادہ کیا تھا۔(۱۳۹)

۸۔ الشعبی (م ۱۲۱ھ) : ابو عمرو عامر بن شراجیل الشعبی ۱۹ھ/۶۴۰ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے ہم نشینوں سے تھے۔ محدث فقہ، مغازی کے عالم اور شعر و سخن کے واقف کار اور راوی تھے۔ عبدالملک بن مروان نے انہیں سفیر بنا کر قیصر روم کے پاس بھیجا تھا اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے انہیں قاضی بھی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے ۱۰۳ھ/۷۲۱ء میں وفات پائی۔(۱۴۰) کتاب المغازی کو تاریخ بغداد میں جمع کیا گیا ہے۔(۱۴۱)

۹۔حضرت ابان بن عثمان (م ۹۳ھ یا ۹۴ھ یا ۹۶ھ) : ابن سعد کے بقول المغیرہ بن عبدالرحمٰن کے پاس ''مغازی ابان بن عثمان'' تحریری شکل میں موجود تھی۔ مغیرہ کے صاحب زادہ یحیٰی کے بقول ان کے پاس ان کا تحریری سرمایہ حدیث کا نہ تھا البتہ مغازی النبی کا وہ ذخیرہ تھا جسے ان کے والد ابان بن عثمان سے حاصل کیا تھا۔ وہ اسے بہت پڑھتے اور ہمیں اس سے سکھلاتے تھے۔ بہر طور ان کے مجموعہ مغازی کا کتب متداولہ میں ذکر نہیں، گویا ان کے تلامذہ نے اس کا اہتمام نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کی زندگی میں اس کی شہرت ہوئی۔

الزبیر بن بکار (۱۷۲-۲۵۶) کی روایت ہے کہ امیر سلیمان بن عبدالملک ولی عہدی کے دور میں (۸۳ھ) سفر حج کے لئے آئے۔ مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ بہت

سے لوگ ان سے ملے۔ یہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام سے منسوب مقامات پر گئے۔ وہاں دوگانہ ادا کیا۔ احد بھی جانا ہوا۔ ان کے ساتھ ابان بن عثمان، عمرو بن عثمان، ابوبکر بن عبداللہ بن ابی احمد بھی تھے۔ یہ حضرات قبا، مسجد فضیخ، مشربہ ام ابراہیم وغیرہ گئے۔ سلیمان ان مقامات کی تفصیلات پوچھتا۔ پھر اس نے حضرت ابان سے ان کی تفصیلات قلم بند کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس سب تحریر شدہ سرمایہ موجود ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے معلومات فراہم کی ہیں۔ الخ یہ خاصی طویل روایت ہے جس سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ:

۱۔ ۷۲ھ سے قبل حضرت ابان نے سیرت النبی میں اپنی تالیف پوری کرلی تھی۔
۲۔ اس میں عقبہ اولیٰ، ثانیہ، غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات کا بطور خاص ذکر تھا۔
۳۔ وہ ایک بڑی ضخیم کتاب تھی جس کی نقل کے لئے سلیمان بن عبدالملک نے دس رجسٹروں کا اہتمام کیا۔
۴۔ ابان کی رائے میں حضرات انصار الخلیفہ الراشد، المظلوم الشہید عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت نہ کرسکے، اس کے باوجود ابانؒ نے پوری دیانت داری سے حضرات انصار کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا۔ (۱۴۲)

وہ معلومات جو سیرت اور مغازی سے متعلق ہیں، انہیں حضرت عروہ سے ان کے چند تلامذہ نے روایت کیا۔

۱۔ ان میں سے ایک امام زہری ہیں۔ ان کی روایات کے اقتباس مسند احمد، بخاری، الطبری، المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ میں ہیں۔
۲۔ ہشام بن عروہ کی روایات کے اقتباس مسند احمد اور تاریخ الطبری وغیرہ میں ہیں۔
۳۔ یحییٰ بن عروہ، ان کی روایات کے اقتباس تاریخ طبری وغیرہ میں ہیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ان کے نسخے مختلف ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ مولف برابر تہذیب وتنقیح میں لگے رہتے اور کمی بیشی کا عمل جاری رہتا، اور چونکہ ان حضرات کے نسخے مختلف شکل میں موجود نہیں بلکہ ان کے اقتباسات اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں، اس لئے ان سے متعلق کسی قسم کی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

۴۔ ابوالاسود (یتیم عروہ) اسی نسخہ کو ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کرکے شائع کیا

ہے۔ ابوالاسود کی روایت سے اقتباسات مسند احمد، انساب الاشراف للبلاذری، المعجم الکبیر للطبرانی اور دوسری کتب مثلاً دلائل النبوۃ لابی نعیم، دلائل النبوۃ للبیہقی اور السنن الکبیر للبیہقی میں موجود ہیں۔ (۱۴۳)

۱۰۔ عروہ بن الزبیر (م ۹۴ھ): عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی ۲۳ھ/۶۴۳ء اور ۲۰ھ/۶۴۹ کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے نواسے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی تھے۔ شاید عمر میں تیس سال چھوٹے تھے۔ انہوں نے جنگ جمل میں شرکت نہیں کی اور سات سال (۵۸ھ تا ۶۵ھ) مصر میں گزارے۔ جب امویوں نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا تو وہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھے، لیکن ان کی شکست کے بعد عبدالملک بن مروان کے پاس چلے گئے۔ حضرت عروہ کا شمار مدینہ کے سات ممتاز فقہاء میں ہے، انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی، وہ محدث بھی تھے اور اپنے تلامذہ سے احادیث اور صدر اسلام کے بہت سے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ ابن اسحاق، الواقدی اور الطبری ان کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں وہ سیرت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدیم ترین مصنف بھی ہیں اور سیرت النبی ﷺ کے متعلق لوگوں کے سوالات کا جواب اپنی جمع کردہ احادیث سے دیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ امام زہری اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل مغازی کے واقعات عروہ بن الزبیر کی زبانی بیان کیا کرتے تھے۔ (۱۴۴)

یوسف ہارویز اور عبدالعزیز الدوری نے مندرجہ بالا مقالات میں عروہ بن الزبیر کی مغازی کی بعض عبارتیں جمع کر دی ہیں۔ امام مسلم نے عروہ بن الزبیر کی احادیث کے رجال پر ایک رسالہ لکھا تھا، جس کے پچپن اوراق خطیب بغدادی کے لکھے ہوئے، کتاب خانہ الظاہریہ دمشق میں ہیں۔ (۱۴۵)

۱۱۔ شرجیل بن سعید (م ۱۲۳ھ): سیرت و مغازی کے قدیم مصنفین میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے متعارف تھے۔ انہوں نے سو برس کی عمر پا کر ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ موسیٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۴۱ھ/۷۵۸ء) کا بیان ہے کہ حضرت شرجیل نے غزوہ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین کی ایک فہرست بھی تیار کی تھی۔ سفیان بن عیینہ نے ان کو مغازی کے جلیل القدر عالموں میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ ابن اسحاق اور واقدی نے ان سے

کوئی روایت نہیں کی، لیکن ابن سعد نے ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان سے ایک روایت درج کی ہے۔(۱۴۶)

۱۲۔ القاسم بن محمد (م ۱۰۷ھ): ابو محمد، القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق ۳۷ھ/ ۶۵۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ وہ عروہ کی طرح اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے۔ الشعبی اور الزہری ان کے راویوں سے ہیں۔ آخر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تھی۔ انہوں نے ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء میں انتقال کیا۔(۱۴۷)

الطبری نے قاسم بن محمد کی کتاب سے بہت سے عبارتیں اپنی تاریخ میں دی ہیں، اس کے علاوہ فہرست تاریخ الطبری میں پچیس بار قاسم بن محمد کی کتاب المغازی کا حوالہ آیا ہے، ان میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت کے واقعات کے علاوہ جنگ جمل کا بھی ذکر ہے۔ یہ واقعات سہل بن یوسف سلمی کے واسطے سے قاسم بن محمد کی مغازی سے ماخوذ ہیں۔ بعض عبارتیں الواقدی اور البلاذری نے بھی نقل کی ہیں۔(۱۴۸)

۱۳۔ عاصم (م ۱۲۰ھ): عاصم بن قتادۃ المدنی ابوعمرو تابعی ہیں۔ انہوں نے بعض صحابہ مثلاً جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے جبکہ ان سے ان کے بیٹے الفضل نے روایت کی ہیں۔ مغازی کے مشہور عالم تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ جامع دمشق میں لوگوں کو مغازی اور مناقب صحابہ کا درس دیا کریں۔ حضرت عاصم نے ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء میں وفات پائی۔(۱۴۹)

۱۴۔ السبیعی (م ۱۲۷ھ): ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الہمدانی ۳۲ھ/ ۶۵۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷ھ/ ۷۴۵ء میں فوت ہوئے، عمر بھر کوفہ میں رہے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۸ صحابیوں سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ مغازی کے مشہور عالم تھے (دیکھئے فتوح مصر از واقدی)۔

تاریخ الطبری میں مندرجہ بعض قطعات سے پتہ چلتا ہے کہ الطبری نے السبیعی کی کتب مغازی اور فتوحات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور واقدی نے بھی ان کی بہت سی

عبارتیں دی ہیں۔(۱۵۰)

۱۵۔ یعقوب بن عتبہ (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء): یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ الثقفی المدنی امام زہری کے معاصر تھے۔ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقف کار تھے۔ انہوں نے ۱۲۸ھ/۷۴۵ء میں وفات پائی۔

تاریخ الطبری میں یعقوب بن عتبہ کی السیرۃ کے بہت سے اقتباسات ہیں۔(۱۵۱)

۱۶۔ عبداللہ بن ابی بکر (م ۱۳۰ھ): عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم المدنی ۵۶ھ یا ۶۰ھ/ ۶۷۹ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جو مورخ، فقیہ اور محدث تھے۔ ان سے حضرت امام مالک، ابن جریج اور ہشام بن عروہ وغیرہ وحدیث کی روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بھی اپنے باپ کی طرح مورخ اور محدث تھے، لیکن ان کی زندگی میں زیادہ شہرت نہ حاصل کر سکے۔ ابن اسحاق، الواقدی، ابن سعد اور الطبری وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ کتاب المغازی کے مؤلف تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھانجے عبداللہ الملک بن محمد القاضی (المتوفی ۱۷۶ھ/۷۹۲ء) ان کے راوی تھے۔ عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کے بعض مکاتیب کی بھی روایت کرتے تھے جو آپ ﷺ نے اپنے معاصرین کو بھجوائے تھے۔ ان میں ایک مکتوب گرامی فرماں روایان حمیر کے نام بھی تھا۔ ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء یا ۱۳۵ء میں انتقال کیا۔(۱۵۲)

۱۷۔ یزید بن رومان (م ۱۳۰ھ): یزید بن رومان الاسدی المدنی، ابوروح، آل الزبیر بن العوام کے موالی میں سے تھے۔ ان کا شمار متاخر تابعین میں سے ہے، اگرچہ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے روایت نہیں کی۔ وہ محدث اور مغازی کے مولف تھے۔ ان کی روایات کا مدار عروہ اور الزہری کے اقوال ہیں، لیکن خود ان سے محمد بن اسحاق اور حضرت مالک بن انس اور ہشام بن عروہ وغیرہ ہم روایت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن رومان کی کتاب المغازی محمد بن صالح بن دینار (المتوفی ۱۶۸ھ/۷۸۴ء) کی روایت سے الواقدی کی دسترس میں تھی۔ طبقات ابن سعد میں بھی اس کے اقتباسات ملتے ہیں۔ انہوں

نے ۱۲۰ھ/ ۷۴۷ء میں وفات پائی۔ (۱۵۳)

الطبری نے ابن سعد، الواقدی اور ابن اسحاق کے حوالے سے یزید بن رومان کی المغازی کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔

۱۸۔ ابوالاسود: ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل بن الاسود الاسدی نے عروہ بن الزبیر کے دامن شفقت میں تربیت پائی تھی۔ وہ تابعی ہیں اور عروہ بن الزبیر ان کے سب سے بڑے شیخ (استاد حدیث) ہیں۔ خود ان سے الزہری، عبیداللہ بن ابی جعفر (مورخ مصر) عبداللہ بن لہیعہ، شعبہ اور اللیث وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، اہل علم کے نزدیک ابوالاسود کی روایات قابل وثوق ہیں۔ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کی کتاب المغازی کے جو مقطوعات دیئے ہیں، ان سے ابوالاسود کی باریک بینی اور دقیقہ رسی کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان کا منبع و مآخذ عروہ بن الزبیر کے اقوال ہیں۔ (۱۵۴)

۱۹۔ داؤد بن الحسین (م ۱۳۵ھ): ابوسلیمان داؤد بن الحسین الاموی، عکرمہ اور نافع وغیرہم کے شاگرد اور امام مالکؒ اور ابن اسحاق کے شیخ تھے۔ اپنے استاد عکرمہ کی طرح خوارج کی طرف مائل تھے۔ بعض محدثین نے ان کی روایات کی تضعیف کی ہے اور بعض نے ان کی توثیق کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے حالات جمع کرنے کا ہی اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے ۱۳۵ھ/۷۵۲ء میں رحلت کی۔ (۱۵۵)

۲۰۔ ابوالمعتمر (م ۱۴۳ھ): ابوالمعتمر سلیمان بن طرفان التیمی، ۴۶ھ/ ۶۶۶ء میں پیدا ہوئے، حضرت انس بن مالک کے علاوہ بہت سے قدیم تابعین مثل الحسن البصری وغیرہم سے حدیث کی روایت کی۔ ان کی دقیقہ رسی کی وجہ سے اہل علم ان کی تعریف و توصیف کرتے ہیں، انہوں نے ۱۴۳ھ/ ۷۶۰ء میں بصرہ میں انتقال کیا۔

کتاب المغازی۔ خطیب بغدادی نے دمشق میں ان کی روایت کی اجازت سے حاصل کی تھی۔ تاریخ الطبری میں اس کے دو بڑے اقتباسات ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں خصوصاً جلد پنجم میں اس کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (۱۵۶)

۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ): ابو محمد موسیٰ بن عقبہ کی تاریخ پیدائش کا ہمیں علم نہیں۔ طبقات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ نوجوان ہی تھے، جبکہ انہوں نے ۶۸ھ/۶۸۷ء میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا وہ حج کرنے مکہ معظمہ جارہے تھے۔ ہمارے اندازے کے مطابق ان کی زیادہ سے زیادہ تاریخ پیدائش ۵۵ھ متعین ہو سکتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ امام زہری کے شاگرد رشید تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ان کا حلقہ درس تھا جہاں وہ روایات کی اجازت عطا فرمایا کرتے تھے۔ مورخ کی حیثیت سے ان کی تمام تر توجہ کا مرکز مغازی رسول ﷺ اور خلفائے راشدینؓ تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مہاجرین حبشہ اور بیعت عقبہ میں شامل ہونے والوں کے اسمائے گرامی بھی ضبط کئے تھے۔ انہوں نے چند مواقع پر امویوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سنہ وار تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنی تاریخ میں اشعار سے شاذ و نادر استشہاد کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۴۱ھ میں انتقال کیا۔ (۱۵۷)

امام مالک نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی تحسین کی ہے۔ ان کی مغازی کی بنیاد امام زہری کی کتاب المغازی کی روایات پر ہے، جن کو وہ مختلف الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تحریری ذخیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا جو کریب مولیٰ ابن عباس نے موسیٰ بن عقبہ کی امانت میں دے دیا تھا۔ اور یہ کتابی ذخیرہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھا۔ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی سے بے شمار اقتباسات الاصابہ میں دیئے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کا ایک ٹکڑا جناب مصطفیٰ الاعظمی نے بیروت سے شائع کیا ہے۔ (۱۵۸)

۲۲۔ معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ): آپ سے منسوب کتاب المغازی ہے۔ (۱۵۹)

۲۳۔ الحنفی (م ۱۶۲ھ): واقدی نے آپ کی کتاب السیرت سے بہت استفادہ کیا ہے۔ (۱۶۰)

۲۴۔ ابو معشر سندھی (م ۱۷۰ھ): آپ نے کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس سے ابن سعد طبری اور واقدی نے استفادہ کیا۔ (۱۶۱)

۲۵۔ یحییٰ بن سعید الاموی (م ۱۹۴ھ): کتاب المغازی کے مصنف ہیں۔(۱۶۲)

۲۶۔ ابوالعباس الاموی (م ۱۵۹ھ): آپ کی کتاب المغازی سے بخاری نے استفادہ کیا۔(۱۶۳) یہ وہ ابتدائی کتابیں ہیں۔ جن کی بنیاد پر سیرت کی اہم کتب وجود میں آئیں، مندرجہ بالا کتب میں سے کچھ شائع ہوئیں۔ اکثر کے مسودات ضائع ہو گئے۔ یہی وجہ ہے بہت کم سیرت نگار ان سیرت نگاروں کا ذکر کرتے ہیں۔

چند معروف سیرت نگاروں کا جائزہ: اس سے قبل جن سیرت نگاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، بحث کے آخر میں چند معروف سیرت نگاروں کا مختصر ذکر کرنا چاہوں گا، یہ ایسے سیرت نگار ہیں جن کی شخصیت و نگارشات کا اکثر مصنفین نے تفصیل سے تذکرہ و تجزیہ کیا ہے اور ان تصانیف سیرت نے سیرت نگاری کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان سیرت نگاروں میں پہلا اہم ترین نام زہری کا ہے۔

۱۔ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ): آپ نے المغازی کے نام سے سیرت و مغازی پر جامع کتاب لکھی۔(۱۶۴)

۲۔ محمد بن اسحٰق (م ۱۵۰ھ): آپ نے بھی کتاب المغازی کے نام سے جامع کتاب سیرت النبی پر قلمبند کی ہے جو سیرت ابن اسحٰق کے نام سے معروف ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے ایڈٹ کر کے شائع کرایا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ): آپ کی کتاب المغازی سیرت کا بنیادی ماٗخذ ہے۔

۴۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام الحمیری (م ۲۱۸ھ): سیرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مصنف ہیں جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل سیرت، ابن اسحٰق کی نئی ترتیب و تہذیب ہے اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اس کے خلاصے و شروحات شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً

۱۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی (المتوفی ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء) نے اس سیرت کی شرح الروض الانف کے نام سے لکھی۔ اس کا عمدہ ایڈیشن عبدالرحمٰن الوکیل کی تحقیق اور تعلیق سے قاہرہ سے شائع ہوا ہے۔ (۱۹۶۷ء۔۱۹۷۰ء)

۲۔ سیرت کے مشکل الفاظ کی شرح ابوذر مصعب بن محمد بن مسعود الخشنی الجیانی (المتوفی ۶۰۴ھ/ ۱۰۶۷ء) نے لکھی جو چھپ چکی ہے۔

۳۔ فتح بن موسیٰ المغربی (المتوفی ۶۶۳ھ/ ۱۲۶۵ء) نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔

۴۔ یوسف بن عبدالہادی (المتوفی ۹۰۹ھ/ ۱۵۰۳ء) نے اس کی شرح المبرۃ فی حل مشکل السیرت کے عنوان سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ الظاہریہ دمشق میں ہے۔

مختصرات سیرت ابن ہشام: (الف) احمد بن ابراہیم الواسطی (المتوفی ۷۱۱ھ۔ ۱۳۱۱ء) نے اس کا اختصار کیا، جس کے قلمی نسخے لائیڈن، لندن اور استنبول میں ہیں۔

(ب) المویدباللہ یحییٰ بن حمزہ بن علی (المتوفی ۷۴۷ھ/ ۱۳۴۹ء) نے اس کی تلخیص خلاصۃ السیرۃ النبویہ کے نام سے کی، قلمی نسخہ بانکی پور پٹنہ میں ہے۔

(۳) (عبدالسلام محمد ہارون نے ان کی تہذیب، تہذیب سیرت ابن ہشام کے عنوان سے کی اور قاہرہ اور بیروت سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔)

۴۔ التیجان المعرفۃ ملوک الزمان فی اخبار قحطان، حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ (۱۶۵)

قدیم وجدید کتب سیرت و مغازی کی فہرست سازی کا کام ہو چکا ہے۔ تعارف و تجزیہ کے لئے درج ذیل مآخذ سے مزید استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور ج/ ۱۴/ ص/ ۱۷۶ تا ۱۸۵

۲۔ مصادر التراث العسکری عندالعرب ج/ ۲/ ص/ ۸۰۔۱۱۷ اور ۳۷۶ تا ۳۸۶ ج/ ۳/ ص/ ۱۵۶۔۱۵۹ اور ص/ ۲۳۲۔۲۳۳

۳۔ نقوش سیرت نمبر ج/ ۴/ ص/ ۲۸۶۔۳۱۳

۴۔ سیرت النبی شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ج/ ۱/ ص/ ۳۴۔۳۷

۵۔ المصادر العربیۃ والمعربیۃ محمد ماہر حمادہ ص/ ۱۳۸۔۱۳۹

۶۔ دلیل مولفات الحدیثۃ والقدیمۃ دوجلدوں میں سیرت کی قدیم وجدید کتب کا بہترین ذخیرہ ہے۔

۷۔ سیرت کی اولین کتابیں جوزف شاخت نے اس میں کتب سیرت کا تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے۔

۸۔ اردو میں لکھی جانے والی کتب کی بھی متعدد فہرست شائع ہو چکی ہیں جس سے اس موضوع پر کیے جانے والے عظیم کام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورہ الاعراف/۱۷۶

۲۔ سورۃ النساء/۵۹ اور ۸۳

۳۔ سورۃ الاحزاب/۲۱

۴۔ قرآن کریم کی اس آیت اليوم اكملت لكم دينكم وتممت عليكم نعمتي میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ Al- Khudrawi Deeb A Dictionary of Islam i.c Terms- Al- yamamah Beirut 1995. p.23

۶۔ کیرانوی، مولانا وحید الزماں قاسمی القاموس الجدید ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء [illegible] ص/۱۵۷ بذیل مادہ ''اصل''

۷۔ المنجد فی اللغۃ والاعلام دارالمشرق بیروت ص/۱۲ بذیل مادہ۔

۸۔ سورۃ ابراہیم/۲۴ كشجرة طيبة أصلها ثابت و فرعهافي السماء ''أصل''

۹۔ العسکری، أبي هلال الحسن بن عبدالله بن سهل الفروق اللغوية دارالكتب العلمية بيروت ۲۰۰۰ء ص/۱۸۳،

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔ا ص/۴۷ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اوّل ۱۹۸۰ء) اور دائرة المعارف البطرس البستانی ج/۱۰ ص/۳۰۹، (دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

۱۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیر یا قانون بین المما لک (ماہنامہ) فکر ونظر (اسلام آباد) ج/۵ ش/۱۱، مئی ۱۹۶۸ء ص/۸۰۹ سیر کے موضوع پر اور کتب پر ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ مضمون اور خطبات بہاولپور میں موجود لیکچر کا مطالعہ کریں۔

۱۲۔ القشیری، ابوالحسین مسلم، بن الحجاج، صحیح مسلم ج/۲ حصہ اول ص/ ۱۳۰۔۱۸۹

(مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۷ھ)

۱۳۔ ابن حجر، عسقلانی، فتح الباری ج/۸ ص/۳ (دارالفکر بیروت ۱۹۹۲ء)

۱۴۔ تمام بڑی کتب فقہ میں کتاب الجہاد والسیر کے عنوانات ملیں گے۔ اسی طرح مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں۔ جیسے امام محمد کی کتاب السیر الصغیر اور السیر الکبیر وغیرہ۔

۱۵۔ ندیم الواجدی، نقوش رسول نمبر لاہور ج/۱ ص/۵۲ ج/۱ ش/۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔

۱۶۔ ابن منظور، لسان العرب ج/۴ ص/۳۸۹، احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۸ء۔

۱۷۔ الزبیدی، سید محمد مرتضیٰ تاج العروس ج/۳ ص/۲۸۷ وزارۃ الارشاد والانباء کویت ۱۹۶۵ء۔

۱۸۔ الفارابی، أبی نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ المسمی الصحاح ج/۲ ص/۵۹۳۔۵۹۴، محشی عبداللہ بن بری دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء مزید دیکھیں القاموس المحیط ج/۲ ص/۵۶ اور المعجم المعظم ج/۳ ص/۱۴۸۷۔ مصباح اللغات ص/۳۸۷۔

۱۹۔ جامع اللغات ج/۳ ص/۴۵۴۔

۲۰۔ فیروز الدین۔ مولانا فیروز اللغات ص/۸۵۷ فیروز سنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۵ء۔

۲۱۔ امروہوی، قائم رضا نسیم جدید نسیم اللغات اردو ص/۶۰۰ (اور سید مرتضیٰ حسین)۔

۲۲۔ سورۃ طٰہٰ/۲۱۔

۲۳۔ سورۃ النحل/۳۶۔

۲۴۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۳ اقبال اکادمی لاہور پاکستان (مقالہ پی ایچ ڈی) طبع اوّل ۱۹۸۹ء۔

۲۵۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/۲۔

۲۶۔ یورش، پروفیسر عثمان خالد۔ فن سیرت نگاری ص/۸۔

۲۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ج/۱ ص/۳ مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۹۸۵ء۔

۲۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۷۴۔

۲۹۔ قاسمی، محمد جمال الدین۔ قواعد التحدیث ص/۳۵، مطبوعہ البابی الحلبی ۱۹۶۱ء۔

۳۰۔ محمد سرور، بن نایف زین العابدین۔ دراسات فی السیرۃ النبویۃ ص/۷۲ دارالارقم ۱۹۸۶ء

۳۱۔ ایضاً ص/۷۴

۳۲۔ دھلوی، شاہ عبدالعزیز محدث، عجالہ نافعہ ص/۱۴ ص/۴۸ مترجم و شارح ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۹۶۴ء

۳۳۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن۔ تدوین حدیث ص/۸، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۹۷ء

۳۴۔ ایضاً ص/۹

۳۵۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۶۔ سورۃ الجمعہ/۳

۳۷۔ سورۃ النساء/۶۹

۳۸۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۴۔۵

۳۹۔ ایضاً ص/۱۹

۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۷۴

۴۱۔ The Encyclopaedia of Islam Leiden Vol/4 P/439

۴۲۔ یہی بیشتر اہل علم کی رائے ہے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد ج/۲۔۱ ص/۱۸ ج/۳۔۲ ص/۱۵۲ کتاب الاغانی ج/۱۹ ص/۵۹ تفصیل ملاحظہ کریں اردو نثر میں سیرت رسول ص/۷۔۸

۴۳۔ احمد بن حنبل، مسند احمد ج/۱ ص/۷۵ اور ص/۱۲۸ اور دیکھئے المعجم المفهرس لالفاظ الحديث

۴۴۔ ابوالفتح، ڈاکٹر، محمد صغیر الدین۔ صحابہ کرامؓ کی نعت گوئی ص/۱۴ اظہار سیرت نمبر فروری ۱۹۷۹ء

۴۵۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص/ ۸۔۹
۴۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/ ۱۴۔ ا ص/ ۴۷
۴۷۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص/ ۸
۴۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/ ۱۴۔ ا ص/ ۴۷
۴۹۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر ص/ ۸
۵۰۔ ایضا
۵۱۔ ایضا ص/ ۹
۵۲۔ ندیم الواجدی، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو۔ نقوش رسول نمبر ج/ ۱ ص/ ۵۳ ش۔ ۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ء
۵۳۔ عثمانی، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد، فتح الملہم ج/ ا ص/ ۵۸ مدینہ پریس بجنور ہندوستان۔
۵۴۔ نقوش رسول نمبر ج/ ۱ ص/ ۵۳ بحوالہ فیض الباری ج/ ۱ ص/ ۵۸
۵۵۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ج/ ۱ ص/ ۳
۵۶۔ ابوالبرکات، عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص/ ۱۶
۵۷۔ شبلی نعمانی، علامہ۔ سیرۃ النبی ج/ ۱ حصہ اول ص/ ۲۴ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور ۱۴۰۸ھ
۵۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/ ۲۴
۵۹۔ جمال الدین، عبدالصاحب۔ عربوں کی تاریخ کا مطالعہ (مترجم ندیم الواجدی) رسالہ رگ سنگ کانپور جنوری ۱۹۷۳ء
۶۰۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/ ۲۴
۶۱۔ Encyclopaedia of Britannica Vol/11 P/529, (Articale History)
۶۲۔ السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ (اردو) ص/ ۳۰ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
۶۳۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔ اردو نثر میں سیرت رسول ص/ ۲۶

۶۴۔ ندیم الواجدی، سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو۔نقوش رسول نمبر ج/ ۱ ص/ ۵۷
۶۵۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن۔تدوین حدیث ص/۱۱
۶۶۔ ایضاً ص/۱۰
۶۷۔ جاوید، محمد مظفر عالم، صدیقی۔اردو میں میلاد النبی ص/۹۶ (فکشن ہاؤس لاہور طبع اول ۱۹۹۸ء)
۶۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۱
۶۹۔ فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری ص/۲۱
۷۰۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود۔اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۹
۷۱۔ Encyclopaedia of Britannica Vol/3 P/636, (Articale History)
۷۲۔ (بخاری) محمد بن اسماعیل التاریخ الکبیر ج/ا قسم/ا ص/۶۳
۷۳۔ ابن قتیبہ، المعارف ص/۲۶۰
۷۴۔ سلمعانی، ابوسعد بعدالکریم بن محمد کتاب الانساب ج/ا ص/۹، مزید دیکھیں جامع بیان العلم ج/ا ص/۱۰۳
۷۵۔ مسعودی، مروج الذھب ج/۲ ص/ ۳۳۵
۷۶۔ ایضاً ج/۳ ص/۴۱
۷۷۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم ج/ ا ص/۱۰۵
۷۸۔ ابن سعد، طبقات ج/ ص/ ۳۶۷
۷۹۔ ابن سعد، طبقات ج/ ۶ ص/۹۰
۸۰۔ یحیٰی نووی، ابوزکریا محی الدین تہذیب الاسماء واللغات ج/ ا ص/ ۳۳۷
۸۱۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب ج/ ۵ ص/۵۴
۸۲۔ خطیب بغدادی تاریخ بغداد ج/۳ ص/ ۷
۸۳۔ ابوعبداللہ نیساپوری معرفۃ علوم الحدیث ص/ ۲۳۸
۸۴۔ خطیب بغدادی شرف اصحاب الحدیث ص/ ۸
۸۵۔ داناپوری، اصح السیر ص/۶۴۔۲۶

۸۶۔ ابن سعد، طبقات ج/۲ص/۳۷۶
۸۷۔ ایضاً ج/ ۸ص/۳۰۸
۸۸۔ ایضاً ج/ ۸ص/۲۹۳
۸۹۔ ایضاً ج/ ۸ ص/۳۵۹
۹۰۔ ایضاً ج/ ۸ ص/۴۱۳
۹۱۔ سورۃ آل عمران/۳۱
۹۲۔ سورۃ الاحزاب/۲۱
۹۳۔ بخاری، صحیح البخاری کتاب المغازی باب عدۃ اصحاب بدر
۹۴۔ بخاری، تاریخ کبیر ج/۲ قسم/۲ص/۲۸۱
۹۵۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین سیر و مغازی شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ۱۴۱۰ھ ص/۴۹
۹۶۔ بخاری تاریخ کبیر ج/۱ قسم/۱ ص/۳۹۸
۹۷۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/۲۳
۹۸۔ بخاری۔ صحیح البخاری کتاب المغازی ج/۳ ص/۲اور صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر
۹۹۔ مسند حمیدی ج/۲ص/۴۱۵
۱۰۰۔ بخاری تاریخ کبیر ج/۲ قسم/۲ص/۴۰۳
۱۰۱۔ بخاری، صحیح البخاری کتاب المغازی ج/۳ص/۲۹
۱۰۲۔ تذکرۃ الحافظ ج/۱ص/۱۳۰
۱۰۳۔ تاریخ بغداد ج/۳ص/۱۱، اور تہذیب التہذیب ج/۹ ص/۳۶۶
۱۰۴۔ کتاب الجرح والتعدیل ج/۳ص/۱۹۳، یہاں ایک شبہ کا ازالہ بھی مقصود ہے۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

ثلاثة کتب لیس لها اصول، المغازی، والملاحم، والتفسیر،

تین فن کی کتابیں بے بنیاد ہیں، مغازی، اور ملاحم، اور تفسیر۔

یہ قول مغازی و ملاحم اور تفسیر کی عام کتابوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ان

تینوں علوم کی بعض مخصوص کتابیں مراد ہیں۔ جو اپنے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری اور داستان گوئی کی وجہ سے ناقبل اعتمال ہیں: جیسا کہ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے۔ دیکھئے: تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر گجراتی ص ۸۲،

۱۰۵۔ اخبار أبي حنیفۃ واصحابہ للصمیری ص/ ۷۵

۱۰۶ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ، مقدمہ مغازی رسول اللہ ﷺ عروہ بن زبیر مترجم محمد سعید الرحمٰن ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۸۷ء ص/ ۲۸۶

۱۰۷۔ الفہرست ابن ندیم ص/ ۱۳۲

۱۰۸۔ ایضاً ص/ ۱۳۱

۱۰۹۔ مصنف عبدالرزاق ج/ ۵ ص/ ۱۱۳

۱۱۰۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/ ۱۷۱

۱۱۱۔ ابن حجر تہذیب التہذیب ج/ ۹ ص/ ۴۴

۱۱۲۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص/ ۲۶۶

۱۱۳۔ مبارکپوری، قاضی اطہر تدوین سیر و مغازی ص/ ۱۷۲

۱۱۴۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ مقدمہ مغازی رسول اللہ عروہ بن زبیر ص/ ۳۰۔۳۱

۱۱۵۔ سورہ الشوریٰ

۱۱۶۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ۔ مقدمہ مغازی رسول اللہ عروہ بن زبیر ص/ ۳۲

۱۱۷۔ ایضاً

۱۱۸۔ دیکھئے صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۹۲۴۔۳۹۵ اور فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۲۵۹۰

۱۱۹۔ دیکھئے بخاری حدیث ۳۶۵۲، ۳۹۰۸، ۳۹۱۷، فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۸، ۲۴۵، ۲۵۵

۱۲۰۔ دیکھئے: بخاری حدیث ۳۹۵۵۔۳۹۵۹، ۳۹۷۰، فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۲۹۔۲۹۱۔۲۹۷

۱۲۱۔ دیکھئے بخاری حدیث ۰۸۶۔ ۳۰۲۹، ۴۰۳۴۔۴۰۶۷ فتح الباری ج/ ۷ ص/ ۳۵۷، ۳۴۹، ۳۵۵۔۳۶۴، ج/ ۶ ص/ ۱۶۲

۱۲۲۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۵۳۸۔۴۵۴۵۔۴۵۲۲۔۳۵۲۲۔۳۵۲۳ فتح الباری

ج/ ۷ ص/ ۳۴۵-۳۴۲، ج/ ۶ ص/ ۱۵۵

۱۲۳۔ دیکھئے بخاری حدیث ۲۸۳۷، ۴۱۰۴، ۴۱۰۶، ۴۱۲۳، ۴۳۳۴، ۴۲۲۱، ۴۲۲۲، فتح الباری ج/ ۶ ص/ ۴۶، ۱۶۰، ج/ ۷ ص/ ۳۹۹، ۴۵۵،

۱۲۴۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۱۵۱۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۱

۱۲۵۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۲۵۱۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۹

۱۲۶۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۱۵۰۔ فتح الباری ج/ ۷ص/ ۴۹۱۔ کتاب الاموال لابی عبید ۱۵۸

۱۲۷۔ دیکھئے بخاری حدیث ۴۳۱۵۔ ۴۳۱۷۔ ۲۸۶۴۔ ۲۸۷۴۔ فتح الباری ج/ ۸ ص/ ۲۷-۲۸

۱۲۸۔ (ا)ابن سعد الطبقات ۵۰/۸۰-۸۱، مطبوعہ بیروت، ۹۲۰ ابن حبیب (المجر، ص۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۲) (۳) ابن قتیبہ المعارف، ص ۱۳۲، (۴) ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل ۲/۱/۲۴-۲۵

۱۲۹۔ ابن حجر التہذیب ج/ ۴ص/ ۶۹

۱۳۰۔ مسند احمد ج/ ۵ص/ ۲۲۲

۱۳۱۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج/ ۲ص/ ۱۲۲۳

۱۳۲۔ تاریخ طبری ج/ ۱ص/ ۱۱۱

۱۳۳۔ (ا)ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۲۰/۱/۲۰۰، (۲)ابن حجر الاصابہ ۲/ ۲۶۷، (۳) ابن الجر التہذیب، ۴/ ۲۴۸-۲۴۹، ان کی احادیث مسند احمد، ۲۲۸،۲ ۴/ ۳۰۲ میں ملتی ہیں۔

۱۳۴۔ المغازی للواقدی ص/ ۹۵، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۹

۱۳۵۔ الانساب الاشراف بلاذری ج/ ۱ص/ ۵۰۹

۱۳۶۔ تاریخ طبری ج/ ۱ص/ ۱۲۶۴، ۱۶۰۹، ۱۷۵۷، ۱۷۸۲،

۱۳۷۔ طبقات ابن سعد ج/ ۱ص/ ۳۳۲، ۴۸۹، ۴۰۹

۱۳۸۔ (ا) ابن سعد الطبقات ۵/ ۱۹-۱۴۳، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۲/۱/۵۹-۶۱، (۳) ابن حجر التہذیب، ۴/ ۸۴، ۸۸، (۴) الزرکلی

الاعلام، ۲/ ۱۵۵

۱۳۹۔ ابن سعد طبقات ج/ ۵ ص/ ۲۰۱ اور ابن حجر التہذیب ج/ ۷ ص/ ۴۴

۱۴۰۔ (۱) ابن سعد الطبقات، ۶/ ۱۷۱، ۱۷۸، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۲۹، (۳) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۲/ ۲۲۷، ۲۲۲، (۴) ابن خلکان، وفیات الاعیان ۱/ ۳۰۶، ۳۰۷، (۵) الذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۷۹۔۸۸، (۶) ابن حجر۔ التہذیب۔ ۵/ ۶۵۔۶۶، (۷) الزرکلی۔ الاعلام، ۴/ ۱۸۔۱۹، (۸) الحالہ۔ معجم المولفین، ۵/ ۴۵

۱۴۱۔ تاریخ بغداد ج/ ۱۲ ص/ ۲۳۰

۱۴۲۔ اعظمی، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ، تدوین سیر و مغازی ص/ ۳۶۔۳۷، مزید سوانح کے لئے دیکھیں مقدمہ طبقات ابن سعد ج/ ۵ ص/ ۱۱۳

۱۴۳۔ ایضاً ص/ ۶۲۔۶۳

۱۴۴۔ (۱) ابن سعد الطبقات، ۵/ ۱۳۲ (۲) ابن قتیبہ، المعارف، ص ۱۱۴، (۳) امام بخاری تاریخ الکبیر، ۴/ ۱/ ۳۱۔۳۲، (۴) ابو نعیم حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۱۷۶، (۵) ابن خلکان، وفیات الاعیان ۱/ ۲۹۸۔۴۰۰، مطبوعہ بولاق، (۶) ابن حجر۔ التہذیب۔ ۷/ ۱۸۰۔۱۸۵،، (۷) مقدمہ ذخاو، در طبقات ابن سعد، (۸) الزرکلی۔ الاعلام، ۵/ ۱۷، (۹) دلیا وزن اور یوسف بارویز کے مقالات، در اسلامک کلچر حیدر آباد دکن

۱۴۵۔ تاریخ طبری ج/ ۱ ص/ ۱۸۱

۱۴۶۔ (۱) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل، ۲/ ۱/ ۲۲۸، ۳۴۹، (۲) یاقوت، معجم البلدان، ۱/ ۲۶۹، (۳) عبدالعزیز الدوری، علم التاریخ عندالعرب، ص ۲۲

۱۴۷۔ ابن سعد الطبقات، ۵/ ۱۸۷، ۱۹۴، مطبوعہ بیروت، (۲) ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل، ۳/ ۲/ ۱۸۸، ۲۹۱ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۲/ ۱۸۲، (۴) السفدی، نکت الہمیان، ص ۲۲۰، (۵) (۶) ابن حجر التہذیب، ۸/ ۲۲۳، ۲۲۵، (۷) ابن حجر التہذیب، ۲/ ۲۲۱، (۸) الزرکلی الاعلام، ۶/ ۱۵

۱۴۸۔ تاریخ طبری ج/ ۱ ص/ ۱۵۱، ۱۷۴، ۳۵۰، وغیرہ

۱۴۹۔ ابن قتیبہ المعارف، ص ۲۲۶، (۲) ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، ۳/۲۴۶، (۳) العقیلی اثنی الرجال، ص ۲۸۳، (۴) ابن حجر التہذیب ۵/۵۲۔۵۴، (۵) وہی مصنف الاصابہ، ۳/۲۴۷، (۶) مقالہ یوسف بارویز، درمجلہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، شمارہ ۲، ۱۹۲۸ء

۱۵۰۔ سزگین، محمد فواد تاریخ علوم اسلامیہ پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی لاہور ۱۹۹۶ء ج/۲/ص/۶۳

۱۵۱۔ ایضا ج/۲/ص/۶۲

۱۵۲۔ ایضاً

۱۵۳۔ ایضا

۱۵۴۔ ایضاص/۶۵

۱۵۵۔ ایضا

۱۵۶۔ ایضاص/۶۶

۱۵۷۔ ایضاص/۶۷

۱۵۸۔ ایضا

۱۵۹۔ ایضاً ص/۷۰

۱۶۰۔ ایضاً ص/۷۱

۱۶۱۔ ایضاً ص/۶۱

۱۶۲۔ ایضاً ص/۷۳

۱۶۳۔ ایضاً

۱۶۴۔ ایضاً ص/۶۱

۱۶۵۔ ایضاً ص/۷۵۔۷۶

تمت بالخیر

اصول سیرت نگاری

مأخذ ومصادر

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کے کچھ اصول ہیں، جن سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت النبی ﷺ لکھی جانی چاہئے، ان اصولوں کی تعداد وترتیب میں اختلاف ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتب اگرچہ نہیں لکھی گئیں ہیں لیکن ضمناً بعض کتب سیرہ میں مجملاً یہ بحث موجود ہے۔

اسلام کے دیگر موضوعات مثلاً حدیث کے لئے اصول حدیث، فقہ کے لئے اصول فقہ اور علم کلام کے لئے اصول علم کلام، علم تاریخ کے لئے اصول علم تاریخ کا فن موجود ہے۔ جس کے ذریعہ ان علوم کی ترتیب وتدوین اور پرکھنے میں مدد لی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اصول سیرت النبی پر بھی مستقلاً لکھا جاتا اور مآخذ ومصادر کا تعین کیا جاتا، تاکہ اس علم میں فنی بنیادوں پر بہتری پیدا ہوتی اور سیرت نگاری میں افراط وتفریط سے بچا جاسکتا۔ لیکن عجیب بات ہے اس جانب بہت کم حضرات نے توجہ فرمائی ہے۔

اصول سیرت کے حوالہ سے یہ واضح رہے کچھ اصول ومصادر اصلیہ ہیں کچھ فرعیہ ہیں۔ سیرت کا بنیادی مصدر خود آپ ﷺ کی ذات ہے اور آپ کی ذات سے وہی کچھ صادر ہوتا تھا جو قرآن کریم کی تعلیم ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا نبی کے وہی اعمال و اخلاق تھے جن کی قرآن کریم نے تعلیم دی ہے۔(۱)

سیرت پر ریسرچ کے لئے بھی اسی طرح شرائط منضبط ہونے چاہئے تھے، جس طرح ماہرین علوم اسلامیہ نے تفسیر قرآن کریم کے لئے مفسر کو پابند کیا ہے کہ اسے ۱۸ علوم

سے واقفیت ہونی چاہئے۔

ہر اصول و علم کی ہر جگہ ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ جس پہلو پر محقق کام کر رہا ہو اسی سے متعلق علم کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص ''اسفار نبوی ﷺ'' پر اسی وقت لکھنے کا حق ادا کر سکتا ہے جبکہ وہ علم جغرافیہ سے واقف ہو۔ میں نے یہاں جن علوم سے آگاہی کو سیرت نگاری کے لئے ضروری قرار دیا ہے وہ اسی تناظر میں ہے۔

پہلا اصول قرآن ہے

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ قرآن کریم سیرت النبی ﷺ کے اس خاص پہلو کی طرف کیا رہنمائی کرتا ہے؟ عہد نبوی و عہد صحابہ میں یہی طریقہ رائج تھا۔ خود قرآن نے انبیاء کے قصے بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے۔

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون۔ (۲)

لوگوں کو پچھلے قصے سنایا کرو تاکہ وہ سوچیں۔ قصص الانبیاء کو احسن القصص (بہترین قصے) قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کہانیوں کی کتاب نہیں ہے لیکن انبیاء کی سیرت کے اہم حصوں کی طرف رہنمائی ضرور کرتا ہے۔

ایک دفعہ کچھ صحابہؓ نے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

إن خلق رسول الله كان القرآن۔ (۳)

رسول ﷺ کے وہی اخلاق تھے جو قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ جس میں آپ کی ابتدائی زندگی، یتیمی، غربت، جوانی میں مالی فراغت، تلاش حق، بعثت، نزول وحی دعوت و تبلیغ، کفار کی مخالفت، اسلام کا فروغ، معراج، ہجرت، غزوات، خود آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی مختلف انداز میں وضاحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے تمام سیرت نگاروں نے سیرت کا پہلا ماخذ

قران کریم کو تسلیم کیا ہے۔(۴۰) لیکن عملی صورت حال یہ ہے کہ صرف قرآن کریم سے استفادہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی سیرت پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا لکھا جانا چاہئے تھا۔ اس کا شکوہ مولانا ابوالکلام آزاد سمیت دیگر افراد کو بھی رہا ہے۔(۵) حتی کہ معروف سیرت نگار علامہ شبلی بھی تذب ذب کا شکار رہے کہ کیا صرف قرآن کریم سے سیرت النبی ﷺ لکھی جاسکتی ہے۔(۶) اس کا عملی جواب ابوالکلام آزاد نے خود دیا اور بقول خود پہلی کتاب سیرت پر قرآن کریم کی روشنی میں تیار کی، یہ کتاب قرآن کی سورتوں کی ترتیب پر ہے۔(۷) باوجود یکہ یہ دعویٰ قابل تحقیق ہے۔ پھر بھی کچھ کوششیں ایسی ہوئی ہیں جن میں قرآن کریم کی بنیاد پر سیرت لکھی گئی ہے جیسے جمال مصطفیٰ عبدالعزیز عرفی کی (۸) نبوة محمد فی القرآن۔ الدکتور حسن ضیاء الدین عتر کی (۹) سیرة الرسول صورة مقتبسة من القرآن الکریم محمد عزه دروزه کی۔(۱۰) النبی الامین والقرآن المبین مولانا عبیداللہ سندھی کی (مطبوعہ کراچی) رسول کریم فی قرآن عظیم شمس الدین کی (مطبوعہ الفیصل لاہور)

نبی قرآن کی روشنی میں، عزیز ملک کی (دیا پبلیشرز اسلام آباد) بولتا قرآن محمد، رئیس کی (نوری بک ڈپو فیصل آباد)، ہمہ قرآن درشان، محمد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی (رائل بک ڈپو حیدر آباد) رسول رحمت ابوالکلام آزاد محمد علی البلادی کی التعریف بالنبی والقرآن قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ نقوش رسول نمبر کی جلد اوّل بھی اسی کوشش کی کڑی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے، جو ہر سوال کا جواب دیتی ہے کہ اس کا لانے والا کون تھا، کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا۔ اور جب واپس نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود، مقاصد وجود اور اعلام صداقت و عظمت کے لئے اس کے وقائع میں سے جن جن باتوں

کی ضرورت ہو سکتی ہے، وہ سب کچھ صرف قرآن کریم ہی کی زبانی دنیا معلوم کر سکتی ہے اور اس بارے میں بھی قرآن کریم اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور یہ سب کچھ از قبیل اشارات و مرموزات نہیں، جیسا کہ ارباب نکات و دقائق کا طریق استنباط ہے، بلکہ صاف اور کھلا کھلا بیان، جو فقہا کے طریق واستنباطِ اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح و ظاہر اور اگر رموز و اشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن کریم میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں۔

اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ معاملہ بھی منجملہ خصائص و اعجاز قرآن ہے کہ کسی پیغام کی صداقت جانچی نہیں جا سکتی، جب تک پیغام لانے والے کی صداقت و امانت نہ جانچی جا سکے اور وہ ممکن نہیں، جب تک اس کی پوری زندگی اور زندگی کے اعمال و وقائع دنیا کے سامنے نہ ہوں۔ پس اس اعتبار سے آج تمام عالم میں اگر کوئی صحیفہ آسمانی ایسا ہے، جو اپنے لانے والے کی زندگی کے وقائع و سوانح ہر زمانے اور ہر عہد میں خود اپنی زبانی سنائی دے سکتا ہے تو وہ بحکم:

هٰذا كتابنا ينطق عليكم بالحق (۱۱)

یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے۔

بجز قرآن کریم کے اور کوئی نہیں۔ اس کے سوا جس قدر کتب سماویہ موجود ہیں، وہ یا تو اپنی صداقت کی اور ساری باتوں کی طرح اس بارے میں بھی بالکل خاموش ہیں، حتیٰ کہ اپنے لانے والوں کے وجود کے اثبات سے عاجز اور اگر اس کی شخصیت کا ذکر کرتے بھی ہیں تو ایسے مجہول و سراپا شکوک و ارتیاب کی شکل ہیں، جس سے اثبات کی جگہ اور زیادہ سلب و نفی کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ (۱۲)

آگے مزید لکھتے ہیں: اگر دنیا سے تاریخ اسلام کی ساری کتابیں معدوم ہو جائیں، دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن کریم ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مقدسہ اور آپ ﷺ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔ (۱۳) اور حقیقت یہ ہے کہ ورفعنا لک ذکرک (۱۴) ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا، میں اسی طرف اشارہ

ہے کہ جس طرح قرآن کریم بھی فنا نہیں ہوگا اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی ہمیشہ زندہ رہے گی۔

لیکن اعتدال اور حقیقت سے زیادہ قریب بات ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ہے لکھتے ہیں:

قرآن کریم نے حالات نبوی ﷺ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ مثلاً جب کسی غزوہ کا ذکر کرتا ہے تو اسباب پر روشنی ڈالتا ہے، جزئیات پر نہیں صرف جنگ کے نصیحت آموز پہلوؤں کو نکھارتا ہے اور عبرت آموز واقعات پر تبصرہ کرتا ہے اور یہی معاملہ انبیاء کے قصوں اور اقوام ماضیہ کے حالات کے ساتھ بھی ہے۔ اس لئے ہم سیرت نبوی ﷺ سے متعلق قرآنی نصوص پر اکتفا نہیں کر سکتے ہیں اور ان سے حیات رسول ﷺ کی مکمل تصویر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ (۱۵) بلکہ منکرین حدیث نے حدیث سے بچنے کے لئے اسے بہانہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ جیسے ہیکل کی حیاۃ محمد (۱۶)

آیئے قرآن کریم سے سیرت طیبہ ﷺ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم آپ ﷺ کے خوف الٰہی کی کیفیت واضح کرتا ہے۔ (۱۷) کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔ (۱۸) اور لوگوں سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ایمان لے آئیں۔ (۱۹) یہی رحمۃ اللعالمین ہونے کا تقاضہ بھی ہے۔ (۲۰)

آیات قرآنی کے مطابق آپ ﷺ دعائے خلیلؑ (۲۱) بھی تھے اور نوید مسیحاً بھی (۲۲) آپ ﷺ کا اسم مبارک محمد ﷺ (۲۳)، بھی ہے اور احمد ﷺ (۲۴) بھی۔ کلام الٰہی میں آپ ﷺ کو یٰسین (۲۵)، طٰہٰ (۲۶)، مزمل (۲۷)، مدثر (۲۸)، نبی امی (۲۹)، داعی الی اللہ (۳۰)، منذر (۳۱)، ہادی (۳۲)، سراج منیر (۳۳)، شاہد (۳۴)، مبشر (۳۵)، نذیر (۳۶)، مذکی (۳۷)، معلم کتاب وحکمت (۳۸)، نور (۳۹)، رسول ﷺ صادق (۴۰)، برہان ربانی (۴۱)، حاکم برحق (۴۲)، سراپا ہدایت (۴۳)، رحمۃ للعالمین (۴۴)، رؤف و رحیم (۴۵)، صاحب خلق عظیم (۴۶)، اول المسلمین (۴۷)، خاتم النبیین (۴۸)، بندۂ الٰہی (۴۹)، صاحب کوثر (۵۰)، صاحب رفعت وشان (۵۱)، مرکز آرزوئے مومنین (۵۲)، محبوب خدا (۵۳)، اور ممدوح ملائکہ (۵۴)، قرار دیا گیا ہے۔ تاہم قرآن کریم کے نزدیک آپ ﷺ کی سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے (۵۵)، اور اس کے رسول (۵۶) ہیں، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپ ﷺ کی اصل حیثیت ایک

ایسے انسان کی تھی، جسے منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں، آپ ﷺ کی یتیمی، غربت میں پرورش، جوانی میں معاشی آسودگی (۵۷)، بعثت سے پہلے کی پاکیزہ زندگی (۵۸)، حقیقت کی تلاش کے لئے مجاہدے (۵۹)، منصب نبوت سے سرفرازی (۶۰)، آغاز وحی (۶۱)، مکہ میں تبلیغ اسلام (۶۲)، قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی (۶۳)، سعید روحوں کا قبول اسلام (۶۴)، دعوتِ دین کے راستے کی مشکلات (۶۵)، واقعہ معراج (۶۶)، مظلوم مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ (۶۷)، کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادے (۶۸)، حضرتِ ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرتِ مدینہ (۶۹)، غارِ ثور میں چھپنا (۷۰)، مدینہ میں مہاجرین، انصار، منافقین، اور یہود کا اخلاق و کردار اور آنحضرت ﷺ سے ان کا سلوک (۷۱)، اصحابِ صفہ (۷۲)، مسجدِ ضرار کا انہدام (۷۳)، مسجد قبا کی تعمیر (۷۴)، تحویل قبلہ (۷۵)، غزوۂ بدر (۷۶)، غزوۂ احزاب (۷۸)، غزوۂ حنین (۷۹)، غزوۂ تبوک (۸۰)، بیعتِ رضوان (۸۱)، صلح حدیبیہ (۸۲)، فتح مکہ (۸۳) اور حجۃ الوداع (۸۴)، وغیرہ کا ذکر اس صراحت سے موجود ہے کہ ان تمام آیات کو جمع کر کے آپ ﷺ کی سوانح عمری مرتب کی جاسکتی ہے۔ ان واقعات میں بعض کا ذکر اجمالاً اور بعض کا تفصیلاً کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی (۸۵)، معاشرتی تعلقات (۸۶)، سیرت و کردار (۸۷) اور اخلاق و عادات (۸۸) کے بارے میں بھی واضح اشارے ملتے ہیں۔ ازواجِ مطہراتؓ کی خصوصی حیثیت (۸۹)، صفات اور آنحضرت ﷺ کی طرف ان کا عمومی اور استثنائی رویہ (۹۰)، واقعہ تحریم (۹۱)، حضرت زینبؓ کا حضرتِ زید بن حارثہؓ سے نکاح، ازدواجی بدمزگی، طلاق اور آنحضرت ﷺ سے شادی (۹۲)، ایک زوجہ کا افشائے راز (۹۳)، واقعہ افک (۹۴)، وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ (۹۵)، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ (نابینا صحابیؓ) سے بے اعتنائی اور مکہ کے بارسوخ کافر سرداروں کی طرف آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی توجہ پر اللہ تعالیٰ کی تنبیہ (۹۶) بھی قرآن کریم سے ہی پتہ چلتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے جانثار دوستوں اور جانی دشمنوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ جہاں غارِ ثور کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کا نام لئے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۹۷) وہاں آپ ﷺ کے دشمن

چچا ابولہب اور اس کی بیوی کے لئے پوری سورت وقف ہے، جنہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت اور ایذا دہی میں کسر نہیں چھوڑی۔ قرآن کریم نے ان دونوں کو دردناک عذاب کی خبر دی ہے۔(۹۸)

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر وہ تمام جھوٹے الزامات بھی درج ہیں، جو کفار آنحضرت ﷺ پر عائد کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) مجنون، گمراہ، مفتری، جادوگر، کاہن اور شاعر(۹۹) قرار دے کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔ قرآن کریم نے ان الزامات کے بڑے منطقی اور مدلل جواب دے کر نبی کریم ﷺ کے حقیقی اوصاف کی طرف توجہ دلائی ہے۔(۱۰۰) کفار مکہ کی طرف سے آپ ﷺ سے معجزات طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کی طرف سے جواب دیا ہے۔(۱۰۱) اور سوائے شق القمر کے کسی اور معجزے کو آنحضرت سے منسوب نہیں کیا۔(۱۰۲) (بعض مفسرین کے نزدیک شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ قیامت کی ایک نشانی ہے، البتہ قرآن کریم آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے) آپ ﷺ کے شرح صدر کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔(۱۰۳) سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کو ایک بشر بنا کر پیش کرتا ہے لیکن اس تخصیص کے ساتھ کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔(۱۰۴) اسی طرح وہ آپ ﷺ کی غیب دانی کی بھی پرزور لفظوں میں تردید کرتا ہے۔(۱۰۵) قرآن کریم میں کئی مقامات پر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معمولی یا شدید عتاب کا مظاہرہ کیا گیا ہے، یا آپ ﷺ کی غلطی پر عفوو درگزر سے کام لینے کی اطلاع دی گئی ہے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے (۱۰۶) غزوۂ تبوک میں شرکت سے چند صحابہؓ کو چھوٹ دینے (۱۰۷)، عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے مخلصانہ دینی اشتیاق کے جواب میں بے رخی اختیار کرنے پر خفیف لفظوں میں آپ ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے۔(۱۰۸) اور کوئی بات اختراع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں رگِ جان کاٹ دینے کی دھمکی دی گئی ہے۔(۱۰۹)

قرآن کریم سے ہی آپ ﷺ کی پیشین گویوں کے سچا ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً اہلِ مکہ کی نافرمانی پر آپ ﷺ کی طرف سے ان کے قحط میں مبتلا کئے جانے کی بددعا(۱۱۰) رومیوں کے ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہونے کے بعد جلد ہی غالب آنے کی پیشین گوئی(۱۱۱) اور آپ ﷺ کا مسجدِ حرام میں امن و امان سے داخل ہونے کا

خواب (۱۱۲) وغیرہ۔

رہے آپ ﷺ کے اخلاق و آداب، تو ان سے پورا قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ اس مقدس کتاب میں آپ ﷺ کی شجاعت اور استقامت، ایثار و سخاوت، صبر و درگزر، حق و صداقت، قیادت و سیادت، بصیرت و حسنِ تدبر، رحم دلی و شفقت، احسان و مروت، عبادت و ریاضت، رشد و ہدایت، عدل و مساوات، فیاض و فراخ حوصلگی، عسکری صلاحیت، بشریت و عبودیت، اور خلقِ خدا سے محبت اور خیر خواہی کا بار بار ذکر کر کے آپ ﷺ کو حامل خلقِ عظیم، رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔ (۱۱۳)

قرآن کریم میں ایک طرف آپ ﷺ کی زندگی کے اہم پہلو واضح کئے گئے ہیں، دوسری طرف آپ ﷺ کے عہد کے بعض وقائع پر بحث کی گئی ہے اور تیسری طرف آپ ﷺ کے کردار کی تمام خصوصیات گنوائی گئی ہیں۔ ان باتوں کا تذکرہ قرآن کریم میں کتبِ احادیث، کتبِ مغازی و سیر اور کتبِ تاریخ کی طرح مفصل و مرتب نہیں، بلکہ مختصر و مجمل ہے۔ قرآن کریم، موجودہ توریت کی طرح نہ محض تاریخ ہے اور نہ موجودہ اناجیل کی طرح محض سوانح عمری۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ صحیفہ ہدایت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچا۔ حضور ﷺ ایک خاص ملک، ایک خاص عہد، اور ایک خاص معاشرے میں مبعوث ہوئے، لیکن آپ ﷺ کو قرآن کریم کی شکل میں جو پیغام عطا ہوا، وہ ساری دنیا، سارے زمانوں اور سارے معاشروں کے لئے تھا۔ چنانچہ جہاں قرآن کریم کی عام تعلیمات انسانوں کے لئے دستورِ حیات ہیں، وہاں صاحب قرآن کی زندگی کو قابلِ عمل اُسوۂ حسنہ (اچھا نمونہ) قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی سیرت و کردار کو مومنوں کے لئے ایک اعلیٰ مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ محض حامل قرآن نہ تھے بلکہ سراپا قرآن تھے۔

قرآن کریم کے آئینے میں ہمیں سیرتِ رسول ﷺ کی جو دلآویز جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے آپ ﷺ کی سیرت پر غور و فکر کی راہیں کھولی جا سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کا نفسِ متن سیرت نگاری کا پہلا اصول و مصدر کہلائے گا۔

پہلے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ مالک بن انس، موطاء امام مالک باب حسن الخلق ص/۹۰۴

۲۔ سورۃ الاعراف/۱۷۶

۳۔ مالک بن انس، موطاء امام مالک باب حسن الخلق ص/۹۰۴ اور کنزل العمال ج/۳ص/۱۶

۴۔ دیکھئے السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ الدکتور مهدی رزق اللّٰہ احمد مطبوعہ جامعۃ الملک السعود الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۲ء ص/۱۶ اور فقہ السیرۃ الدکتور محمد سعید رمضان البوطی انتشارات لقمان قم ص/۲۲ اور سیرت نبوی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مترجم مزمل حسین القرانٹر پرائز لاہور ۱۹۸۹ء ص/۳۰۔۳۱ اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ ڈاکٹر انور محمود خالد ص/۴۵ تا ۵۲ اور دراسات فی السیرۃ النبویۃ محمد سرور بن نایف زین العابدین دارالارقم ۱۹۸۶ء ص/۷۰

۵۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۱۸

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً ص/۱۹ اور ص/۲۳

۸۔ یہ گیلانی پبلشرز کراچی سے اگست ۱۹۸۰ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ الاتقاللسیوطی کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے سیرت لکھی ہے ہر جلد ۳۰ تا ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ یہ دار البشائر الاسلامیۃ سے ۱۹۹۰ء میں ایک جلد میں ۳۷۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں شخصیت کے مختلف پہلو سے متعلق آیات کو الگ جمع کرکے اس کی روشنی میں سوانح، بعثت، اخلاق، نبوت کا اثبات، اور اعتراضات کے جوابات پیش کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ یہ دو جلدوں میں لکھی گئی ہے، دیکھئے: السیرة النبویة فی ضوء المصادر الاصلیة ص/۱۶
۱۱۔ سورہ جاثیہ/۲۹
۱۲۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/۱۹۔۲۰
۱۳۔ ایضاً ص/۱۹
۱۴۔ سورۃ الشرح/۴
۱۵۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، سیرت نبوی ص/۳۱
۱۶۔ حمادہ، الدکتور فاروق، مصادر السیرة النبویة و تقویمها دارالثقافة شام ۱۹۸۰ء ص/۱۱۰۔۱۲۰
۱۷۔ سورۃ الانعام ۶/ ۱۵
۱۸۔ سورۃ یونس/۱۰/ ۱۵
۱۹۔ سورۃ توبہ۹/ ۱۲۸
۲۰۔ سورۃ الانبیاء۲۱/ ۱۰۷
۲۱۔ سورۃ البقرہ۲/ ۱۲۹
۲۲۔ سورۃ صف ۶۱/ ۶
۲۳۔ سورۃ فتح ۴۸/ ۲۹
۲۴۔ سورۃ صف ۶۱/ ۶
۲۵۔ سورۃ یٰسین ۳۶/ ۱
۲۶۔ سورۃ طٰہٰ ۲۰/ ۱
۲۷۔ سورۃ مزمل ۷۳/ ۱
۲۸۔ سورۃ مدثر ۷۴/ ۱
۲۹۔ سورۃ اعراف ۷/ ۱۵۸
۳۰۔ سورۃ احزاب ۳۳/ ۳۶
۳۱۔ سورۃ رعد ۱۳/ ۷
۳۲۔ سورۃ رعد ۱۳/ ۷

۳۳۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۶
۳۴۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۵۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۶۔ سورۂ احزاب ۳۳/۳۵
۳۷۔ سورۂ آل عمران ۳/۶۴
۳۸۔ سورۂ آل عمران ۳/۶۴
۳۹۔ سورۂ مائدہ ۵/۱۵
۴۰۔ سورۂ نساء ۴/۱۷۰
۴۱۔ سورۂ نساء ۴/۱۷۴
۴۲۔ سورۂ نساء ۴/۱۰۵
۴۳۔ سورۂ نحل ۱۶/ ۲۷
۴۴۔ سورۂ انبیاء ۲۱/ ۱۰۷
۴۵۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۲۸
۴۶۔ سورۂ قلم ۶۸/ ۴
۴۷۔ سورۂ انعام ۶/ ۱۶۲
۴۸۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۴۰
۴۹۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷/ ۱
۵۰۔ سورۂ کوثر ۱۰۸/ ۱
۵۱۔ سورۂ الم نشرح ۹۴/ ۴
۵۲۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۶
۵۳۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۵۶
۵۴۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۵۶
۵۵۔ سورۂ الکہف ۱۸/ ۱۱۰
۵۶۔ سورۂ اعراف ۷/ ۱۵۸
۵۷۔ سورۂ الضحیٰ ۹۳/ ۶ تا ۸

۵۸۔ سورۂ العنکبوت ۲۹/ ۴۸
۵۹۔ سورۂ الضحیٰ ۹۳/ ۷
۶۰۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۶۴
۶۱۔ سورۂ علق ۹۶/ ۱ تا ۵
۶۲۔ سورۂ مائدہ ۵/ ۶۷
۶۳۔ سورۂ انعام ۶/ ۳۳ تا ۳۵
۶۴۔ سورۂ انعام ۶/ ۵۲
۶۵۔ سورۂ انعام ۶/ ۱۰۶ تا ۱۰۷
۶۶۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷/ ۱
۶۷۔ سورۂ النحل ۱۶/ ۴۱
۶۸۔ سورۂ انفال ۸/ ۳۰
۶۹۔ سورۂ توبہ ۹/ ۴۰
۷۰۔ سورۂ توبہ ۹/ ۴۰
۷۱۔ سورۂ توبہ، سورۂ بقرہ، سورۂ المنافقون کی متفرق آیات
۷۲۔ سورۂ البقرہ ۲/ ۲۷۳
۷۳۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۰۷ تا ۱۱۰
۷۴۔ سورۂ توبہ ۹/ ۱۰۸
۷۵۔ سورۂ بقرہ ۲/ ۱۴۴
۷۶۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۲۳
۷۷۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۱۲۱ تا ۱۷۵
۷۸۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۹ تا ۲۰
۷۹۔ سورۂ توبہ ۹/ ۲۵ تا ۲۶
۸۰۔ سورۂ توبہ ۹/ ۹۲ تا ۱۰۶۔ ۱۱۷ تا ۱۲۳
۸۱۔ سورۂ فتح ۴۸/ ۱۸ تا ۱۹
۸۲۔ سورۂ فتح ۴۸/ ۲ تا ۲۷

۸۳۔ سورۂ بنی اسرائیل ۸۱/۱۷

۸۴۔ سورۂ مائدہ ۳/۵

۸۵۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۲ تا ۵

۸۶۔ سورۂ آل عمران اور سورۂ احزاب متعدد آیات

۸۷۔ سورۂ توبہ، سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب کی آیات

۸۸۔ سورۂ توبہ، سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب کی آیات

۸۹۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۳۰ تا ۳۴

۹۰۔ سورۂ التحریم ۶۶/ ۳ تا ۵

۹۱۔ سورۂ التحریم ۶۶/ ۱ تا ۲

۹۲۔ سورۂ احزاب ۳۳/ ۳۷

۹۳۔ سورۂ التحریم ۶۶/ ۳

۹۴۔ سورۂ النور ۲۴/ ۱۱ تا ۱۸

۹۵۔ سورۂ آل عمران ۳/ ۶۴

۹۶۔ سورۂ عبس ۸۰/ ۱ تا ۱۶

۹۷۔ سورۂ توبہ ۹/ ۴۰

۹۸۔ سورۂ اللھب ۱۱۱/ ۱ تا ۵

۹۹۔ سورۂ سبا ۳۴/ ۴۶، ۵۰ اور سورۂ الصٰفٰت ۳۷/ ۱۵، ۳۶

۱۰۰۔ سورۂ الطور ۵۲/ ۲۹

۱۰۱۔ سورۂ الاعراف ۷/ ۲۰۳

۱۰۲۔ سورۂ القمر ۵۴/ ۱ تا ۳

۱۰۳۔ سورۂ الم نشرح ۹۴/ ۱ تا ۸

۱۰۴۔ سورۂ الکہف ۱۸/ ۱۱۰

۱۰۵۔ سورۂ انعام ۶/ ۵۰

۱۰۶۔ سورۂ اعراف کی متفرق آیات

۱۰۷۔ سورۂ توبہ، سورۂ صف کی متعدد آیات

۱۰۸۔ سورۂ عبس ۸۰/ ۱ تا ۱۶

۱۰۹۔ سورۃ الحاق کی متعدد آیات

۱۱۰۔ سورۃ الدخان ۴۴/ ۱۰ تا ۱۶

۱۱۱۔ سورۂ روم ۳۰/ ۲ تا ۴

۱۱۲۔ سورۃ الفتح کی متعدد آیات

۱۱۳۔ سورۃ التوبہ ۹/ ۱۲۸ تا ۱۲۹

تمت بالخیر

دوسرا اصول: تفسیر قرآن ہے

قرآن کریم کے بعد سیرت کا دوسرا ماخذ تفسیر مآثور ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ سے منقول تفسیری روایات سیرت نگاروں نے اس ماخذ کا یا تو ذکر ہی نہیں کیا۔(۱) یا پھر اسے چوتھے(۲) اور پانچوں (۳) نمبر پر رکھا ہے۔ جبکہ اسے دسرے نمبر پر ہونا چاہئے تھا(۴) تفسیر فسر سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں واضح کرنا کھولنا، تفسیر کا لفظ قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں ہے، لیکن اب تفسیر قرآن کریم کے لئے بولا جاتا ہے۔(۵)

زرکشی کے مطابق تفسیر کی تعریف یہ ہے:

علم يعرفُ به فهم كتاب اللّٰه المنزل على نبيه محمد و بيان معانيه و استخراج أحكامه و حكمه (٦)

ایسا علم جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے اس کے معنی و مفہوم کی وضاحت کی جائے اس سے احکامات اور اس کے فلسفہ کو معلوم کیا جائے۔

تفسیر کی تین قسمیں ہیں، تفسیر بالمأثور تفسیر بالرأی المحمود تفسیر بالرأی المذموم (۷)

مأثور اس تفسیر کو کہا جاتا ہے جو نفس قرآن کریم کے متن یا سنت صحیحہ یا صحابہؓ و تابعینؒ سے منقول ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم (٨)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا تاکہ لوگوں کے لئے اس کی تفسیر بیان کریں۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے پہلے مفسر خود آپ ﷺ ہیں، چنانچہ جب قرآنی آیات

کی تشریح و توضیح کی جاتی ہے تو سیرت رسول ﷺ کی نسبت سے وہ مقامات زیادہ اہم ہو جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنایا ہے یا آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف واقعات کی طرف اجمالی اشارے کئے ہیں (ایسے موقع پر آپ ﷺ کی وضاحت ہی حقیقی تفسیر اور سیرت کی بنیاد ہوتی ہے) اسی طرح جب یہ معلوم کرنا ہو کہ آیات قرآنی کے نزول کے اوقات، اسباب اور مقامات کون کون سے تھے؟ اور ان کا آپ ﷺ کی ذات سے کیا تعلق تھا؟ اس کی وضاحت فقط تفسیر سے ہوتی ہے۔ اسی لئے کتب تفاسیر سیرت النبی ﷺ کا اہم سرچشمہ قرار دی گئی ہے(۹) جن عظیم شخصیات نے سیرت و مغازی کو جمع کیا ہے انہی سے تفسیر قرآن کا ذخیرہ بھی منقول ہے۔

مفسروں اور ان کی تفسیروں کے مآخذ کی معلومات کے بارے میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے اور زمانہ حال کے محقق (یورپی) علماء ان اختلافات کو صحیح مانتے ہیں(۱۰) افسوس ہے کہ بہت سے اہل علم اس کھلی ہوئی اور ثابت شدہ حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ قرآن پاک کی قدیم تفسیریں اپنے سلاسل رواۃ سمیت متاخر تفسیروں میں موجود ہیں، لیکن ان تفسیری اقوال کی اسناد کو اصول حدیث کے مطابق اچھی طرح پرکھا نہیں گیا۔ ان تفسیری اقوال کے بارے میں یہ رائے قائم کر لی گئی کہ یہ منفرد اقوال ہیں جن کا سلسلہ سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ تک نہیں پہنچتا۔

جب ہم یہ متفقہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ بعض قدیم تفسیروں کے جو ٹکڑے بلا کم و کاست ہم تک پہنچے ہیں تو ہم ان کی بناء پر تدوین و تالیف کی تحریک بالخصوص نثر عربی اور علوم لغت وغیرہ کی ابتداء اور ان کے فروغ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم قدیم قرآنی تفاسیر کی جدید تدوین اصول حدیث کے مطابق کر سکیں تو ہم جزم کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کتب حدیث کے ظہور کا بھی یہی زمانہ تھا۔(۱۱)

تفسیر کی ترتیب و تدوین کا عہد وہی ہے جو حدیث اور سیرت کی تدوین کا ہے۔ اسے تین ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

تفسیر نویسی کا پہلا دور آغازِ کار میں تفسیر اقوال کو بطریق روایت نقل کیا جاتا تھا۔ حضرات صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ اقوال نقل کرتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے بھی۔ اسی طرح تابعین صحابہ سے بھی کسب فیض کرتے اور اپنے معاصر تابعین

سے بھی۔ یہ تفسیر قرآن کریم کا پہلا مرحلہ ہے۔

دوسرا دور صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد تفسیر کے دوسرے مرحلہ کا آغاز ہوا۔ یہ اس وقت ہوا جب تدوین حدیث کی داغ بیل پڑی۔ حدیث نبوی ﷺ مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب تفسیر پر بھی مشتمل تھا۔ زیر تبصرہ دور میں ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ایک ایک سورت اور ایک ایک آیت کی تفسیر مستقلاً تحریر کی گئی ہو۔ اس عصر و عہد میں ایسے علماء موجود تھے جو مختلف دیار و امصار میں گھوم پھر کر حدیثیں جمع کرتے اور تبعاً وضمناً وہ تفسیری اقوال بھی فراہم کرتے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب منسوب تھے۔

علماء، محدثین تفسیری اقوال کو احادیث نبویہ کی حیثیت سے جمع کرتے تھے، مستقل اور جداگانہ تفسیر کے اعتبار سے نہیں۔ مذکورین نے اپنے پیش رو ائمہ تفسیر سے جو کچھ بھی نقل کیا تھا اس کو ان کی جانب منسوب کر دیا تھا۔ افسوس ہے کہ گردش روزگار سے اکثر مجموعے ضائع ہو گئے۔

تیسرا دور: تیسرے مرحلہ پر پہنچ کر تفسیر حدیث نبوی سے الگ ہو گئی اور اس نے ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔(۲۱)

امام جلال الدین سیوطی ''الاتقان'' میں لکھتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ کے گروہ میں سے دس صحابہؓ مفسر مشہور ہوئے ہیں، یعنی خلفائے اربعہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔

خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ روائتیں تفسیر قرآن کریم کے متعلق حضرت علی بن ابی طلب سے منقول ہیں اور باقی تینوں خلفاء سے بہت ہی کم روایتیں اس بارے میں آئی ہیں اور ان سے قلیل روایتیں آنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بہت پہلے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ سے روایت حدیث کی قلت کا بھی سبب یہی ہے۔ مجھے تفسیر قرآن کریم کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کے بہت ہی کم آثار (اقوال) یاد ہیں، جو تعداد میں قریب قریب دس سے بھی زیادہ نہ ہوں گے، مگر حضرت علیؓ سے بکثرت آثار (اقوال) تفسیر کے بارے

میں مروی ہیں"۔(۱۳) ان کے علاوہ، ۱۔حضرت انس بن مالکؓ، ۲۔حضرت ابوہریرہ، ۳۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ۴۔حضرت جابر بن عبداللہ، ۵۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ۶۔حضرت عائشہ صدیقہؓ، ۷۔ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام بھی اس فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے جو حضرت عائشہؓ کی طرح قرآن کریم کے معارف و مطالب اور تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ ان صحابہ کرامؓ میں اگرچہ چار صحابہ کرامؓ (حضرات علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ) سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں، لیکن صرف دو صحابیوں (حضرت ابی بن کعبؓ) کے اقوالِ تفسیرِ قرآن کریم باقاعدہ منضبط ہوئے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی کچھ تفسیری روایات منقول ہیں، جن کا تعلق قصص، فتنوں کی خبر اور اخبار آخرت سے ہے۔(۱۴)

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اصول التفسیر" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "سب سے زیادہ تفسیر کے جاننے والے اہلِ مکہ ہیں، کیونکہ وہ ابن عباس کے تلامذہ ہیں، مثلاً مجاہد (متوفی ۱۰۳ھ) عطا بن ابی رواح (متوفی ۱۱۴ھ) عکرمہ، مولیٰ ابن عباس (متوفی ۱۰۵ھ)، طاؤس بن کیسان (متوفی ۱۰۶ھ)، ابوالشعثا (جابر بن زید ازدی متوفی ۹۳ھ اور بقول بعض ۱۰۰ھ اور سعید بن جبیر (شہادت ۹۵ھ) وغیرہم اور اسی طرح ابن ابی ریاح اور عکرمہ مولی ابن عباس کے تلامذہ۔ اسی طرح اہلِ کوفہ میں عبداللہ ابن مسعود کے تلامذہ مثلاً علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ، اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ، ابراہیم النخعی، متوفی ۷۵ھ، اور شعبی متوفی ۱۰۵ھ۔ کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال اہل مدینہ کے علمائے تفسیر کا ہے جیسے زید بن اسلم (متوفی ۱۳۶ھ) جن سے امام مالک نے تفسیری روایتیں لی ہیں۔ نیز ان (زید بن اسلم) کے لڑکے عبدالرحمٰن متوفی ۱۸۲ھ) اور عبداللہ بن وہب (متوفی ۱۹۹ھ) نے ان سے تفسیری روائتیں لی ہیں۔(۱۵)

امام سیوطی نے "الاتقان" کی نوع نمبر ۸۰ (طبقاتِ مفسرین) میں لکھا ہے کہ "سفیانِ ثوری فرمایا کرتے کہ تفسیر چار شخصوں سے حاصل کرو، سعید بن جبیر سے، مجاہد سے، عکرمہ سے اور ضحاک سے۔ اور قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) کا قول ہے کہ تابعین میں سب سے زیادہ اہل علم چار ہیں۔ عطا بن ابی رباح، مناسک حج کے بہت بڑے عالم تھے۔ سعید بن جبیر کو تفسیر میں سب سے بلند مقام حاصل تھا۔ عکرمہ، سیر کے سب سے زیادہ جاننے والے

تھے اور حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) حلال وحرام کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھتے تھے"۔
ان کے علاوہ درج ذیل تابعین نے بھی تفسیر قرآن میں شہرت پائی، ۱۔عطا بن ابی مسلم الخیراسانی ۲۔ابوالعالیہ، ۳۔محمد بن کعب القرظی، ۴۔قتادہ، ۵۔عطیہ العونی، ۶۔زید بن اسلم، ۷۔مرۃ الہمدانی، ۸۔ابو مالک، ان جید علمائے تفسیر کے بعد دوسرے درجے کے لوگوں میں ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نام آتے ہیں۔(۱۶)

امام سیوطی کہتے ہیں کہ یہ لوگ جن کے نام اوپر درج ہوئے ہیں، قدمائے مفسرین ہیں اور ان کے بیشتر اقوال اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے اقوال کو صحابہؓ سے سنا اور حاصل کیا ہے۔ پھر اس طبقہ کے بعد ایسی تفسیریں تالیف ہوئیں جو کہ صحابہ اور تابعین دونوں کے اقوال کی جامع ہیں۔ جیسے سفیان بن عینیہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبدالرازق، آدم بن ابی ایاس، اسحٰق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، سعید، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی تفسیریں"۔(۱۷)

فواد سزگین لکھتے ہیں: ہمارے پاس پہلی صدی ہجری میں لکھی ہوئی بعض قرآنی تفسیریں ہیں جن سے زمانہ حال کے علم تفسیر کے محقق علماء بھی ناآشنا ہیں۔ ان تفاسیر سے بدلائل یہ ثابت ہوتا ہے کہ متاخر تفسیروں میں وارد اسناد کی تکرار سے دوسرے اقتباسات کے ماخذ بھی قابل وثوق ہوں گے۔ اس زمانے کی بعض تفسیریں جو ہم تک پہنچی ہیں یہ ہیں۔

۱۔تفسیر مصنفہ المجاھد (م۱۰۴ھ/۷۲۲ء)

۲۔تفسیر، مصنفہ العطاء الخراسانی (م۱۳۳ھ/۷۵۵ء)

۳۔کتاب التنزیل، مصنفہ الزہری

تفسیر مجاہد سب مفسروں کے نزدیک خاص قدر و قیمت کے حامل رہی ہے اور انہوں نے اس کی عبارتیں نقل کی ہیں، اگر سب عبارتوں کو جمع کر لیا جائے تو تفسیر مجاہد کا معتد بہ حصہ تیار ہوسکتا ہے۔ (یاد رہے یہ کام ہو چکا ہے) تفسیر مجاہد کے علاوہ امام طبری نے دوسرے مفسروں کی تفسیروں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک آیت کی تشرح کرتے ہوئے مجاہد کے کئی اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس سے امام طبری کا مقصد مجاہد کے قول اور دوسرے مفسروں کے اقوال کی تائید یا اختلاف ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ امام طبری نے لفظ "مثابۃ" (البقرہ ۱۲۵) کی تشریح کرتے ہوئے تفسیر مجاہد کے علاوہ تفسیر معمر بروایۃ عبدالرزاق

اور تفسیر ابن نجیح کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے پہلی دو تفسیریں ہم تک پہنچی ہیں اور تیسری مفقود ہے۔ ان اختلافات کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن ابی نجیح کی تفسیر کا ماخذ تفسیر مجاہد ہی ہوگی اور انہوں نے اپنے اصلی ماخذ سے شاذ و نادر ہی اختلاف کیا ہوگا جیسے امام طبری دوسری تفاسیر کے اقتباسات دیتے رہتے ہیں۔

علم حدیث کے قواعد کی رو سے ہم تمام تفسیروں کے اقتباسات آیات کی ترتیب کو سامنے رکھ کر ضائع شدہ تفسیر کی دوبارہ تدوین اور تکمیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح ہم تفسیر طبری کے اقتباسات کا اپنے ماخذ سے مقابلہ وموازنہ کر سکتے۔

متاخر مفسرین کی طرح متقدم مفسرین بھی قرآن کریم کے متعدد تفسیری اقوال سے آشنا تھے۔ یاقوت حموی الطبری کے ماخذ کی مختلف روایات سے واقف تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے لکھا ہے کہ امام طبری نے اپنی تاریخ میں تفسیر محمد بن سائب الکلبی سے استفادہ کیا ہے اور اپنی تفسیر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

قدیم تفاسیر اپنی اصلی صورت میں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر کی بچی کچھی ہوئی تفسیریں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر محمد بن سائب الکلبی
۲۔ تفسیر معمر/عبدالرزاق
۳۔ تفسیر سفیان الثوری
۴۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان۔

مذکورہ پہلے تین مفسروں نے زیادہ ماخذ سے کام نہیں لیا، ان کے مصادر نہایت قلیل ہیں۔ مقاتل بن سلیمان تو اپنے ماخذ کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ محمد بن اسحاق کی کتاب اگرچہ سیرت میں ہے، لیکن اس میں ہمیں ایسا تفسیری مواد ملتا ہے جو کسی تفسیر کی کتاب میں نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ اس کا شمار قدیم ترین کتب مغازی وفتوح میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ صدر اسلام میں صحابہ کرامؓ قرآن کریم کی تشریح وتفسیر سے محترز رہا کرتے تھے۔ یہی حال حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ اور دوسرے تابعین، مثلاً سعید بن المسیب کا تھا، لیکن تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیری مباحث اور دراسات کا آغاز بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ اس میدان میں اولین کوششوں کا سہرا حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کے سر ہے۔ اس کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جنہوں نے قرآن کریم پڑھا اور اس کی تشریح و تعبیر نہیں کی، وہ اندھے اور جاہل ہیں۔

یہ فرض کر لینا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حقیقی معنوں میں کوئی تفسیر اپنی یادگار نہیں چھوڑی، غلط خیال ہے، جو عربی کی ابتدائی اور مختلف علوم و فنون میں لکھی جانے والی کتابوں کے تصور پر قائم ہے۔ (حالیہ) معلومات کے مطابق ہمارا تصور اس سے بالکل مختلف ہے جس کی رو سے ابن عباسؓ پہلے عرب عالم نہ تھے، جنہوں نے اپنے علوم و معارف مدون کئے تھے۔ بلکہ صدر اسلام میں فقہ، امثال، مثالب اور تاریخ وغیرہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، ان میں بعض کا سراغ تو زمانہ جاہلیت تک لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اشعار عرب، انساب عرب، ایام عرب، مغازی، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی کے بہت بڑے عالم تھے، اس لئے ہم کیسے باور کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علوم و معارف کی جمع و تدوین کی طرف توجہ نہ کی ہوگی۔ مورخ موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک شاگرد کریب بن مسلم (م ۹۷ھ/۷۱۵ء) کے پاس ان کے استاد کی کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ جو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر تھا۔ علی بن عبداللہ بن العباس (م ۱۱۸ھ/۷۲۶ء) موسیٰ بن عقبہ کو لکھ کر "صحیفہ" منگوا لیا کرتے تھے اور نقل کر کے واپس کر دیا کرتے تھے، لہٰذا اس قول کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے خود بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھی تھی، جس کا بہت سے مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور بعد میں علی بن طلحہ نے ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ محدثین کا علی بن طلحہ پر یہ اعتراض کہ علی بن طلحہ نے اس تفسیر کو براہ راست حضرت ابن عباس سے سماع نہیں کیا اور اس کی روایت مقطوع الاسناد ہے، علم اصول حدیث سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ہم یقین اور جزم کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر تمام کی تمام الطبری کے ہاں موجود ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ کے بے شمار تفسیری اقوال کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریحی اقوال ان کے تلامذہ کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جو حضرت ابن عباسؓ کی مجالس عامہ و خاصہ میں شریک ہو کر بعد میں ان کو اپنی کتابوں میں منضبط کر لیا کرتے تھے۔ ان تفسیری اقوال میں جو تناقضات اور اختلافات پائے جاتے ہیں ہم ان کو حضرت ابن عباس اور ان کے شاگردوں کے فکری ارتقاء پر محمول کر سکتے ہیں۔ یہ شاگرد ہمیشہ ان سے

سوالات پوچھتے رہتے تھے اور پھر ان کو اپنی تفسیروں میں لکھ لیتے تھے۔ بعض تفسیری عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ وقت گزرنے اور علم تفسیر کے بسرعت ارتقاء سے حضرت ابن عباس اور ان کے تلامذہ ''تفسیر بالرائی'' سے کام لینے لگے تھے اور بعض اوقات اہل کتاب میں سے علمائے یہود و نصاریٰ سے بھی معلومات حاصل کرلیا کرتے تھے۔ مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۲ء) حضرت ابن عباس کے قریب ترین شاگرد تھے۔ وہ آگے بڑھ کر قرآنی آیات کی مشبہ عبارتوں سے مجازی تفسیر کرنے لگے۔ بعد میں یہ موضوع معتزلہ کے فکر ونظر کا مرکز بن گیا۔

حضرت زید بن علی کی تفسیر جو ہم تک پہنچی ہے اور اس کا نام ''تفسیر غریب القرآن'' ہے۔ وہ خالص لغوی نہیں ہے۔ اسی زمانے کی لکھی ہوئی قتادہ کی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' ہمیں دستیاب ہوتی ہے۔ اسی عہد کی بعض تصنیف شدہ کتابوں کے صرف ناموں سے ہم آشنا ہیں، مثلاً عکرمہ (م ۱۰۵ھ/۷۲۲ء) اور حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) کی کتابیں۔ اسی زمانے میں آیات قرآنی، وقف اور رسم المصحف پر سب سے پہلے کتابیں لکھی گئیں۔

ابو اسحاق نظام کی معتزلہ کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس نے حضرت ابن عباس کے دو شاگردوں، عکرمہ اور ضحاک، پر یہ الزام لگایا کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر تنگ نظری سے کیا کرتے تھے جس کی بنیاد حدیث پر نہ تھی۔ تفسیر میں حضرت ابن عباس کے اہم ترین شاگرد یہ ہیں۔

۱۔ سعید بن جبیر (م ۹۵ھ/۷۱۲ء)
۲۔ مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۲)
۳۔ عکرمہ (م ۱۰۵ھ/۷۲۲ء)
۴۔ ضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ/۷۲۳ء)
۵۔ عطاء بن رباح (۱۸)

تفسیر ماثور کا بہت بڑا ذخیرہ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں محفوظ کر دیا ہے۔ جن سے سیرت کی تحقیق میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ تفسیر ماثور کے حوالہ سے:

﴿۱﴾ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ اسے تنویر المقیاس کے نام سے ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی نے ایک جلد میں مرتب کیا ہے۔ صندوق بوستہ مصریہ سے ایک جلد میں چھپی

ہے، اردو میں تفسیر ابی عباس کے نام سے تین جلد میں عابد الرحمٰن کے ترجمہ کے ساتھ کلام کمپنی کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس سے منسوب کتب تفسیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو حضرت ابن عباس کی اپنی تحریر کردہ تفسیر ہے، جس کی روایت ان کی تلامذہ نے کی ہے اور دوسری وہ تفسیریں ہیں جو ان کے تلامذہ نے ان کے درس و تدریس کی مجالس میں لکھ لی تھیں۔ علی بن ابی طلحہ کی روایت کردہ تفسیر ابن عباس، جس پر محدثین نے نقد و جرح کی ہے، اس کے اقتباسات قدیم تفسیروں مثلاً تفسیر السدی میں ملتے ہیں۔ تفسیر طبری میں تفسیر ابن عباس دو راویوں یعنی علی بن طلحہ اور علی بن داوٗد اتمیمی کی زبانی کامل موجود ہے۔ امام بخاری نے اس تفسیر سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ اور تشریحات امام بخاری نے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی کتاب مجاز القرآن سے نقل کی ہیں۔ ہم تک بہت سی کتابیں ''تفسیر ابن عباس'' کے نام سے پہنچی ہیں۔

(الف) جن میں سے ایک کی تہذیب و ترتیب محمد بن السائب الکلبی نے کی تھی اور اس کے راوی ابوطلحہ ہیں۔

(ب) اسی طرح مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (م ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۵ء) نے حضرت ابن عباس کی تفسیری اقوال کو ''تنویر القیاس من تفسیر ابن عباس'' کے نام سے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ قاہرہ میں کئی بار چھپ چکا ہے، آخری اشاعت ۱۹۶۱ء کی ہے۔

(ج) غریب القرآن: اس کی تہذیب عطاء بن ابی رباح (م۱۱۴ھ/۷۳۳ء) نے کی تھی۔ اس کے چند اوراق آٹھویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ترکیہ میں ہیں۔

(د) مسائل نافع بن الازرق (م ۶۵ھ/ ۲۸۵ء)، خوارج کے سردار نافع بن الازرق نے قرآن کریم کے دو سو مشکل الفاظ کے معانی دریافت کئے تھے۔ حضرت ابن عباس نے ان کے جوابات قدیم عرب اشعار کی مدد سے دیئے تھے۔ محمد فواد عبدالباقی نے ان کو ''معجم غریب القرآن'' کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ (۱۹)

۲۔ تفسیر الثعالبی المسمی بجواہر الحسان فی تفسیر القرآن عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی المالکی (۷۸۶ھ۔۸۷۵ھ) تحقیق علی محمد معوض پانچ جلدیں ۳۰۰/ ہزار صفحات پر دار احیاء التراث العربی بیروت سے ۱۹۹۷ء میں عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

۳۔ مرویات مالک بن انس فی التفسیر جمع تحقیق تخریج محمد بن رزق ۴۰۸ صفحات پر ایک جلد میں شائع ہوئی ہے۔ موسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۵ء اور دوسرا ایم فل تھیس ہے، الامام مالک مفسراحمید کا ایک جلد دار الفکر بیروت سے ۵۰۰ صفحات پر مع تحقیق شائع ہوا ہے۔

۴۔ تفسیر الامام الشافعی محمد بن ادریس الشافعی تحقیق مجدی بن منصور ایک جلد دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰ صفحات پر چھپی ہے۔

۵۔ مرویات أم المؤمنین عائشة فی التفسیر الدکتور سعود بن عبداللہ الفنیسان ایک جلد مکتبۃ التوبۃ سے ۱۹۹۲ء میں ۵۰۰ صفحات مع تحقیق چھپی ہے۔

۶۔ تفسیر الحسن البصری دکتور شیر علی شاہ دکتور عمر یوسف کمال مقالات پی ایچ ڈی پانچ جلدیں مطبوعہ جامع احسن العلوم کراچی ۱۹۹۳ء دو ہزار سے زائد صفحات مع تحقیق جمع وترتیب کے ساتھ الدکتور عبدالرحیم نے بھی دو جلد میں تیار کیا ہے اسی نام سے دارالحدیث جامعۃ الازہر سے شائع ہوئی ہے۔ تقریباً ۱۰۰۰ ایک ہزار صفحات پر مگر تحقیق بنسبت پہلے نسخہ کے کم درجہ کی ہے۔

۷۔ تفسیر القرآن امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ھ ۔ ۲۱۱ھ) تحقیق الدکتور مصطفیٰ مسلم محمد چار جلدوں تین اجزا میں مکتبۃ الرشید ریاض سے))اء میں ۱۵۰۰ / سو صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۸۔ تفسیر النسائی ۔ امام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی تحقیق الجلیمی، الصبری پی ایچ ڈی مقالہ دو جلدیں مکتبۃ السنۃ القاہرۃ سے ۱۶۰۰ صفحات پر عمدہ تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔

۹۔ تفسیر سفیان ابن عیینہ (۱۰۷ھ مطابق ۷۲۵ء ۔ ۱۹۸ھ مطابق ۸۱۴ء) احمد صامحایری ایک جلد میں المکتب الاسلامی بیروت سے ۱۹۸۳ء میں ۴۳۸ صفحات مع تحقیق پر شائع ہوئی۔

۱۰۔ تفسیر سفیان الثوری امام ابی عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی (۱۶۱ھ ۔ ۷۷۷ھ) یہ ایک جلد میں ہے اسے أبی جعفر محمد نے أبی حذیفہ النہدی سے روایت کیا ہے دار الکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۸۳ء ۳۸۲ صفحات پر مع تحقیق شائع وہا ہے۔

اگر تفسیر سے استفادہ نہ کیا جائے تو سیرت طیبہ ﷺ کے بہت سے پہلو تشنہ رہ جائیں گے۔

۱۔ مثلاً سورۃ انفال کی آیت کہ:

کسی نبی کے لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اللہ آخرت چاہتا ہے۔(۲۰)

اس آیت سے بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ زندہ کو ہی قیدی بنایا جاتا ہے لہٰذا نبی کی ذات پر اس سے الزام آتا ہے؟ اس آیت کا مفہوم اس کی تفسیر اور شان نزول سے واضح ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے قیدیوں کو جو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا وہ عمل اللہ کو پسند نہیں آیا گویا سیرت طیبہ ﷺ کی تکمیل تفسیر سے ہوئی ہے۔

﴿۲﴾ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ لڑیں۔(۲۱) قرآن کریم کے الفاظ سے بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ بھلا نبی ایسا کرسکتا ہے لیکن یہ بات واضح ہوتی ہے، تفسیر سے آپ ﷺ نے ظاہری شہادت کی بنیاد پر یہودی کو چور سمجھ لیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کو اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ صحیح فیصلہ کریں فریق ثانی خواہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔(۲۲)

﴿۳﴾ اسی طرح سورۃ احزاب میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ دنیا کو اختیار کرلو یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو۔(۳۲)

قرآن کریم کی آیت سے واضح نہیں ہوتا کہ وہ خواتین جنھوں نے اپنی خوشی سے آپ ﷺ کو اختیار کرلیا اب انہیں کیوں اختیار دیا جارہا ہے۔ سیرت کا یہ پہلو تفسیر سے واضح ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ یہی صورت حال سورۃ یونس کی آیت ۹۴،

﴿۵﴾ سورۃ الشعراء کی آیت ۳،

﴿۶﴾ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷

﴿۷﴾ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۳۲

﴿۸﴾ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۷

﴿۹﴾ سورۂ مجادلہ کی ایت نمبر ۸

﴿۱۰﴾ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵۲ کی ہے، یہی وجہ ہے میں نے سیرت طیبہ کا دوسرا اصول تفسیر قرآن کو قرار دیا ہے۔

❁

دوسرے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ جیسے سیرت النبی شبلی نعمانی اردو دائرہ معارف اسلامیہ یہی حال دیگر اہم کتب سیرت کا ہے۔

۲۔ دیکھئے اردو میں میلاد النبی محمد مظہر عالم ص/۱۸۰

۳۔ دیکھئے اردو نثر میں سیرت رسول ڈاکٹر انور محمود خالد ص/۱۵۸

۴۔ جیسے کہ دکتور مہدی رزق اللہ نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ میں تفسیر کو قرآن کے بعد رکھا ہے۔ ص/۱۶

۵۔ أبی نصر اسماعیل بن حماد الجوہری۔ الصحاح ج/۲/ص/۶۶۹ اور القاموس المحیط الدین محمد الفیروز آبادی ص/۵۸۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۳ء اور القاموس الجدید وحید الزماں ص/۷۰۳ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء

۶۔ زرکشی البرہان فی علوم القرآن ج/۱/ص/۱۳

۷۔ **الحدیدی صفر، الدکتور ابوالنور، التفسیر بالمأثور و مناهج المفسرین فیه بحوث المرکز التعلیم الاسلامی مکة ۱۹۸۲ء ص/۲۹**

۸۔ سورۃ النحل/۴۴

۹۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود خالد اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۵۸

۱۰۔ سزگین، فواد محمد، تاریخ علوم اسلامیہ ج/۱ ص/۳۷ بحوالہ تاریخ قرآن شفالی (جرمن) ج/۴/ص/۱۶۵

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ حریری غلام احمد تاریخ تفسیر و مفسرین کشمیر بک ڈپو فیصل آباد ۱۹۹۶ء ص/۱۳۴۔۱۳۵

۱۳۔ سیوطی، جلال الدین الاتقان فی علوم القرآن (مترجم محمد حلیم) ج/۲/ص/۵۹۵

۱۴۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۶۰

۱۵۔ ابن تیمیہ اصول التفسیر ص/۱۵

۱۶۔ خالد ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۶۳۔۱۶۴
۱۷۔ سیوطی الاتقان ج/۲ص/۶۰۵
۱۸۔ سزگین، فواد محمد تاریخ علوم اسلامیہ ج/۱ص/۳۷۔۳۹
۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ سورۃ الانفال/۶۷
۲۱۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج/۲ص/۳۸۷ اور فی ظلال/ القرآن ج/۲ص/۵۱۰ تفسیر الدر المنثور ج/۲ص/۲۱۶
۲۲۔ سورۃ الاحزاب/۲۸

تمت بالخیر

تیسرا اصول: علم حدیث ہے

سیرت نگاری کے اصولوں میں سے ایک اصل ومصدر ذخیرہ حدیث ہے سیرت حدیث کا حصہ ہے اور تمام کتب احادیث کا حصہ سیرت ہے۔(۱) ابتداء اسلام میں تفسیر حدیث سیرت ایک ہی حلقہ درس کے اسباق تھے بعد میں جدا جدا فن کی حیثیت سے مدون ہوتے گئے۔

سیرت کا حدیث سے تعلق: آپ نے سیرت کے ارتقاء کے ذیل میں مطالعہ کیا ہے کہ حدیث اور سیرت دونوں ایک ہیں، لیکن حدیث کا درجہ سیرت سے زیادہ بلند ہے۔ اس لئے کہ اخذ حدیث کے لئے جو سخت شرائط رکھی گئی ہیں۔ سیرت کے نقل میں انہیں ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ سیرت بغیر حدیث کے مکمل نہیں ہوسکتی ہے خود سیرت کا بہت بڑا ذخیرہ کتب احادیث میں محفوظ ہے، یہی وجہ ہے میں نے سیرت کا تیسرا اصول حدیث کو قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف اس عہد میں بلکہ جب تک دنیا باقی ہے صاحب قرآن کی سیرت وحیات کے مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب و علل ارواح کا اور کوئی علاج نہیں۔ اسلام دائمی معجزہ اور ہیشگی کی حجۃ اللہ البالغۃ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے۔ دراصل قرآن کریم اور حیات نبوۃ مغناً ایک ہی ہیں۔ قرآن کریم متن ہے اور سیرۃ اس کی تشریح، قرآن علم ہے اور سیرۃ اس کا عمل، قرآن صفحات وقراطیس مابین الدفتین اور فی صدور الذین اوتوالعلم (۲) قرآن اہل علم کے سینوں میں ہے اور یہ ایک مجسم وممثل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔(۳)

قرآن کریم سے حدیث رسول ﷺ کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا تعلق رسول اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، یعنی جس طرح اپ ﷺ کی ذات گرامی اللہ کے پیغامبر، ترجمان اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی حدیث

قرآن کریم کی شارح، ترجمان، تفسیر اور تعیین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس مانزل اليهم (۴)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح کرتے جائیں، جو ان کے لئے اتاری گئی ہے۔

حسان بن عطیہ کہتے ہیں:

كان جبريل ينزل على النبى صلى الله عليه وسلم بالقرآن والسنة تفسير القرآن۔ (۵)

جبریل امین رسول اللہ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور سنت (حدیث) قرآن کی تفسیر کرتی تھی۔

سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی ہے۔ (۶)

یہی وجہ ہے قرآن کریم کی تفہیم حدیث کی تعلیم پر موقوف ہے۔ قرآن کریم کے مجمل احکام کی تفصیل عموم کی تخصیص، اور مدلولات کی تعیین کا واحد اور مستند ذریعہ حدیث ہے۔

یہی وجہ ہے ارشاد ربانی ہے:

ما آتكم الرسول فخذوه وما نها كم عنه فانتهوا (۷)

رسول (ﷺ) جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

وحدثوا عنى ولا حرج۔ (۸)

مجھ سے جو کچھ سنتے ہو اسے آگے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن ساتھ تاکید بھی کر دی،

من كذب على متعمدًا فليتبوا مقعده من النار، کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود ہے۔(۹) کہ جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے تاکہ لوگ اس مستند ذریعہ سے نبی کی سیرت سنوار کر بیان کرنے کے بجائے کہیں جھوٹ کو نبی کی طرف منسوب کر کے سیرت کا حلیہ بھی نہ بگاڑ دیں (یہی آج ہو رہا ہے)

حدیث کی لغوی و اصطلاحی تعریف: یہاں ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے کہ حدیث کے معنی جدید کے ہیں۔ حدیث کے مقابلہ پر جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ قدیم ہے۔ حدیث کو حدیث غالباً اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم قدیم ہے اور حدیث بمقابلہ قرآن جدید ہے۔ جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث سے مراد وہ کلام ہے جس کی نسبت حضور کی طرف کی جاتی ہے گویا اسے قرآن کریم کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرآن کریم قدیم ہے۔(۱۰) ابن حجر کا قول ہے المراد بالحديث في الشرع ما اضيف إلى النبي ﷺ كانه أُرِيْدُ بِهِ مقابَلَةَ القرآن لانده قديم،

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہی جائے اس پر حدیث کا اطلاق کرنا اللہ تعالیٰ کے قول واما بنعمة ربك فحدث سے مستعار ہے۔(۱۱)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام کو لفظ "حدیث" سے تعبیر فرمایا ہے۔(۱۲)

قرآن کریم کے بعد تیسرا ماخذ حدیث ہے۔(۱۳)

احادیث نبوی ﷺ کی باقاعدہ تدوین اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۰۱ھ) کے عہد حکومت میں ہوئی۔ لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ بعض صحابہؓ کرام نے آنحضرت کے اقوال، اعمال اور احوال ذاتی طور پر بھی جمع کرنا شروع کر دیے تھے۔ ابتداء حضور ﷺ نے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ میں

التباس نہ ہو جائے، صرف قرآن کریم کی کتابت کی اجازت دی اور اقوال نبوی ﷺ لکھنے کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ لیکن جب قرآن کریم کا بیشتر حصہ نازل ہوگیا، اور صحابہ کرامؓ نے اسے حفظ کرلیا تو آپ ﷺ نے کتابت حدیث کی عام اجازت دے دی، چنانچہ یہ بات مسلمہ ہے کہ بعض صحابیوں نے آپ کی زندگی میں ہی احادیث لکھ لی تھیں، گو احادیث لکھنے کا بیشتر کام آنحضرت ﷺ کی دنیوی حیات کے آخری سالوں میں ہوا۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں احادیث نبویہ پر مشتمل صحائف اگرچہ اب الگ طور پر موجود نہیں ہیں، لیکن ان صحائف کے چیدہ چیدہ حصے بعد کے مجموعوں کا جزء بنے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کافی مدت تک معروف ومقبول رہے۔ حدیث کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے اکثر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے۔(۱۴) حدیث کی تدوین عہد نبوی ﷺ میں شروع ہوئی، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ (م ۶۵ھ) نے صحیفہ صادقہ کے نام سے مجموعہ حدیث مرتب کیا تھا۔(۱۵) حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۸ھ) نے بھی حدیث کے مختلف مجموعے مرتب کئے تھے۔ ایک مجموعہ اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کے لئے مرتب کیا تھا۔ یہ آج بھی محفوظ ہے۔(۱۶)

امام ابوحنیفہ (۸۰ھ/ ۶۹۹ء۔ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) کی فقہی خدمات سے تو ساری اسلامی دنیا واقف ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انہوں نے تدوین حدیث کے سلسلے میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کے انتقال پر ۱۱۰ھ میں آپ جامع کوفہ کی علمی درس گاہ میں مسند فقہ وعلم کلام پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہ پر مرتب کیا اور اس کا نام "کتاب الآثار" رکھا۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اس صحیفہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے، جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔" ان کی رائے میں امام ابوحنیفہ سے پہلے حدیث نبوی ﷺ کے جتنے صحیفے اور مجموعے تھے وہ فنی ترتیب سے محروم تھے۔ جامعین حدیث نے ان تمام احادیث کو قلم بند کر دیا، جو انہیں یاد تھیں، لیکن ان کی یہ کوشش چند ابواب تک محدود رہی۔ امام ابوحنیفہؒ نے پہلی دفعہ احادیث کو باقاعدہ کتب و ابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو بعد کے آئمہ کے لئے ترتیب

وتدوین کے سلسلے میں ایک اعلیٰ نمونہ بنا۔(17)

امام مالک بن انس (۹۳ھ ۔ ۱۷۹ء) نے چالیس سال کی محنت کے بعد ۱۴۳ھ میں موطا کے نام سے حدیث کا مجموعہ مرتب کیا جو موطا امام مالک کے نام سے آج ہمارے پاس ہے۔ امام احمد بن حنبل نے حدیث کی انسائیکلوپیڈیا تیار کردی جو آج ہمارے پاس مسند احمد کے نام سے موجود ہے۔ اس میں چالیس ہزار احادیث ہیں جو ساڑھے سات لاکھ میں سے منتخب کی گئی ہیں۔(18)

۱۔ صحاح ستہ: حدیث کی چھ مشہور کتابیں ہیں۔ صحیح البخاری، صحیح المسلم، سنن أبوداؤد، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ۔ جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ یعنی ذخیرہ حدیث میں صحیح ترین مجموعے۔

۲۔ سنن: ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جو فقہی ترتیب پر مرتب کی گئی ہیں۔

۳۔ مسند کا مفہوم: ''مسند'' حدیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کو اسمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب پر مرتب کیا جائے۔ یعنی ہر صحابیؓ کی حدیث کو الگ الگ بیان کیا جائے۔ اس ترتیب میں بعض اوقت فضیلت اور اسلام میں سبقت، بعض اوقات قبیلے اور شہروں اور بعض اوقات ناموں کے حروف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ آسان اور کتاب سے حدیث کو تلاش کرنے میں مفید صورت یہ ہے کہ کتاب حروف کی ترتیب پر مرتب کی جائے۔ ''مسند'' کے لفظ سے بعض اوقات حدث کا وہ مجموعہ بھی مراد ہوتا ہے جو موضوعات اور ابواب کے لحاظ سے مرتب ہو، اس لئے کہ اس مجموعے میں مرفوع روایات ہوتی ہیں۔ جیسے مسند قی بن مخلد اندلسی کو اسی معنی میں مسند کہا جاتا ہے۔ یہ اسمائے صحابہؓ کی ترتیب پر مرتب نہیں بلکہ فقہی موضوعات یا ابواب پر مرتب ہے۔(19)

مسائید کی تعداد ۱۰۰ ار سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن جعفر کتانی (۱۳۴۵ھ) نے ۸۲ مسائید ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی مسانید ہیں۔(20)

مصنف کا مفہوم: ''مصنف'' اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کی ترتیب فقہی موضوعات کے مطابق ہو اور اس میں مرفوع احادیث پر اکتفا نہ کیا گیا ہو بلکہ آثار صحابہ و تابعین کا ذکر بھی ہو۔

سنن کا مفہوم: ''سنن'' اس مجموعے کہ کہا جاتا ہے جس میں فقہی ترتیب ہوتی ہے

اور اس میں صرف مرفوع احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ آثار، صحابہ وتابعین کا ذکر بہت کم ہوتا ہے۔

صحیح کا مفہوم: ''صحیح'' اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے مصنف نے ارادہ کیا ہو کہ حسن اور ضعیف کی بجائے صرف صحیح درجے کی احادیث ذکر کریں گے۔

معجم کا مفہم: ''معجم'' اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں احادیث کو محدث اپنے اساتذہ کی ترتیب کے مطابق اسی طرح ذکر کرے۔

مستدرک کا مفہوم: ''مستدرک'' اس مجموعے کو کہتے ہیں جسے کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں رہ گئی ہوں، ان کو اس مجموعے میں زکر کردیا جائے۔

مستخرج کا مفہوم: ''مستخرج'' اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کو کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں آتی ہیں، انہی احادیث کو منصف اپنی سند سے بیان کردے۔

ان تمام کتب احادیث میں بہت بڑا مستند سیرت نبوی کا ذخیرہ موجود ہے۔ جس سے آپ کی حیات مبارکہ کی جامع فکر اخذ ہوتی ہے اور وہ بھی سندوں کے ذریعہ انتہائی مستند انداز میں۔(۲۱)

صحیح بخاری میں پہلا باب ہی وحی سے متعلق ہے۔(۲۲) اسی طرح کتاب الجہاد ہے۔ جس میں جہاد کے فضائل اور احکامات کا ذکر ہے۔(۲۳) اور اسی طرح کتاب الانبیاء میں آنحضرت ﷺ کی زبان سے دیگر انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔(۲۴) کتاب المناقب میں ایک باب آنحضرت ﷺ کے اسماء گرامی سے متعلق ہے۔(۲۵) اسی طرح آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا مستقل ایک باب ہے۔ ایک باب آپ ﷺ کی فصاحت سے متعلق ہے۔(۲۶) اور ایک باب میں علامات نبوۃ کا بیان ہے۔(۲۷) پھر کتاب المغازی میں آپ ﷺ کے غزوات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔(۲۸) اسی طرح صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کا باب ہے۔(۲۹) دیگر کتب احادیث میں بھی اس قسم کے ابواب ہیں۔ آپ کی معاشرتی زندگی کے متعلق بھی ان کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً امام نسائی نے اپنی سنن کے کتاب النکاح کے ایک باب میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

نکاح کے بارے میں کیا حکم دیا۔(۳۱) اسی طرح امام ابن ماجہ نے حدیث ما امرتکم بہ فخذ وہ وما انھا کم عنہ فانتھوا (۳۲)درج فرمائی ہے۔ مشکاۃ المصابیح میں ایک باب فضائل سیدالمرسلین ﷺ ہے۔(۳۳) پھر علامات النبوۃ(۳۴) اور باب فی المعراج(۳۵) بھی ہے۔ ان ابواب میں مذکورہ عنوانات کے متعلق بیان ہے۔ جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم پہلو ہیں۔

محمد مسعود عالم قاسمی نے حدیث کے لٹریچر کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلے طبقہ میں موطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہیں صحت کے لحاظ سے ان کا درجہ سب سے بلند ہے۔

۲۔ دوسرے طبقہ میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شامل ہیں، ان کتب کا دوسرا درجہ ہے۔

۳۔ تیسرے طبقہ میں مسند أبي یعلی، مصنف عبدالرزاق اور ابن أبي شیبہ مسند أبو داؤد الطیالسی سنن بیہقی، طحاوی اور طبرانی شامل ہیں۔ ان میں صحیح ضعیف ہر قسم کی روایات شامل ہیں۔

۴۔ چوتھے طبقے میں وہ روایات ہیں جنہیں بعد میں جمع کیا گیا ہے۔ جیسے کتاب الضعفاء ابن حبان کی الکامل ابن عدی کی تاریخ دمشق ابن عساکر کی شامل ہیں۔

۵۔ پانچویں طبقہ میں وہ کتب احادیث شامل ہیں جن میں ان روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ جو فقہاء صوفیاء اور مؤرخین کے ہاں معروف ہیں۔(۳۶) یہ تقسیم دراصل شاہ ولی اللہ کی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حدیث کے لٹریچر کی صحیح وضعیف کے اعتبار سے تین قسمیں کی ہیں فرماتے ہیں:

> حدیث کی کتابیں تین قسم کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اپنی کتاب میں یہ التزام کرے کہ صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے، جیسے بخاری شریف اور صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے وہ بیمار کے لئے مفید ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں، پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی

شریفت کہ اس میں کسی حدیث کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ، مرکبہ، نافع، لکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا نافع ہے اور یہ مضر سو کتب طب میں دیکھ کر، کوئی نادان بھی دوا استعمال نہیں کرتا۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال کرنا عاقل کا کام نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں موضوعات یا احادیث ضعیفہ کو جمع کر دے اور غرض اس التزام سے یہ ہو کہ دین دار ان سادہ لوح ان احادیث کو غیر معتبر سمجھ کر عمل کرنے سے باز رہیں۔ یہ کتاب ایسی ہے جسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ دے تاکہ کل کے دن کوئی دھوکا نہ کھا وے، موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں۔(۳۷)

لہٰذا سیرت النبی قلمبند کرتے ہوئے صرف یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ یہ حدیث ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حدیث کس درجہ کی ہے، محدثین حدیث کی تحقیق کے لئے جن اصولوں کو جاری کرتے ہیں سیرت کے لئے بھی وہی اصول جاری ہونے چاہئیں، اصول تنقیح کو احکام الحدیث کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جائے گا، بلکہ انہیں سیرت کی روایات پر بھی جاری کیا جائے گا۔(۳۸) اس سلسلے میں شبلی نعمانی نے حدیث سے سیرت نبوی ﷺ اخذ کرنے کے انتہائی جامعیت کے ساتھ گیارہ اصول نقل کئے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن کریم میں، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث میں کرنی چاہئے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

۲۔ کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں، اور ان کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے۔

۳۔ سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

۴۔ بصورت اختلاف روایات احادیث رواۃ ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

۵۔ سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔
۶۔ نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہئے۔
۷۔ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جزو شامل ہے۔
۸۔ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔
۹۔ جو روایات عام وجوہ عقلی، مشاہدہ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی۔ (۳۹)
۱۰۔ اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہئے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔
۱۱۔ روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہئے۔ (۴۰)

قرآن مجید کے بعد سیرت رسول ﷺ کا دوسرا بڑا ماخذ احادیث نبوی ﷺ ہیں جن کے راویوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس ذخیرہ میں صحیح، قوی، ضعیف اور موضوع احادیث سب الگ الگ ہیں۔ محدثین نے بے حد تلاش، محنت، کاوش اور احتیاط کے بعد کتب احادیث مرتب کی ہیں اور یوں سیرت رسول ﷺ کے لئے ایسا بے مثال ریکارڈ محفوظ کیا، جس کی دنیائے تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ درست ہے کہ بقول سرسید احمد خاں ''کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے، (''شمائل ترمذی'' کے مرتب امام ابوعیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ) کوئی خاص کتاب آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی، لیکن تمام محدثین نے، جن کی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے، اپنی اپنی کتابوں میں ان حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں۔ پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں، جن سے کم و بیش آنحضرت ﷺ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح سے ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ ﷺ کی زندگی جمع ہو سکتا ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں سیرت پر مختلف کتابیں عربی اردو میں لکھی گئی ہیں، عربی میں الدکتور محمد بن محمد شہبۃ کی ۱۲۰۰/صفحات پر دو جلدوں میں السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن

والنسبۃ کے نام سے دارالقلم دمشق سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اردو میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تین ضخیم جلدوں میں سیرۃ المصطفی کے نام سے مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامع اشرفیہ لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ بھی انہی اصولوں کی روشنی میں قرآن و حدیث سے اخذ کر کے مستند روایات کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

تیسرے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابو شهبة الدكتور محمد بن محمد السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة دار لاقلم دمشق ۱۹۸۸ء ص/ ۲۷

۲۔ سورۃ العنکبوت/ ۴۹

۳۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ص/ ۱۱

۴۔ سورۃ النحل/ ۴۴

۵۔ البغدادی، ابوبکر احمد بن علی الخطیب، کتاب الکفایة فی علم الروایة ص/ ۱۸، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۹۰ھ

۶۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن، (مقدمہ) تدوین حدیث مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۸۳ء

۷۔ سورۃ الحشر/ ۷

۸۔ المسلم القشیری، أبي الحسین مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم ج/ ۱ ص/ ۳۱۴

۹۔ ابن ماجه، أبي عبدالله محمد بن يزيد القروبي سينن ابن ماجه، صحيح مسلم، باب تغليظ الكذب مسند احمد ج/ ۴، حدیث ۳۳۴، صحیح بخاری کتاب العلم وغیرہ

۱۰۔ سیوطی، جلال الدین، قدریب الراوی ج/ ۱ ص/ ۳۲، دارالکتب الحدیثہ مصر ۱۳۸۵ھ

۱۱۔ عثمانی، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد، (مقدمہ) فتح الملہم (بحث تعریف حدیث)

۱۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل صحیح بخاری کتاب الرقاق کتاب العلم (صح المطابع دھلی)

۱۳۔ میں نے چونکہ تفسیر کو دوسرا ماخذ قرار دیا ہے اس لئے حدیث تیسرے نمبر پر آگئی ہے، ورنہ اکثر سیرت نگاروں نے حدیث کو دوسرا ماخذ قرار دے کر تفسیر کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کی سیرت نبوی، ص/۳۱، ڈاکٹر انور محمود خالد کی اردو نثر میں سیرت رسول ص/۵۳، محمد سرور بن نایف کی دراسات فی السیرۃ النبویۃ ص/۴۷، محمد مظفر کی اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹، الدکتور محمد سعید رمضان البوطی کی فقہ السیرۃ ص/۲۲، شبلی کی سیرت النبی ج/۱ حصہ اول ص/۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۷۵

۱۵۔ أبي داؤد، سلیمان بن اشعث البستانی، سنن أبی دائود، باب کتابة العلم اور مسند دارمی باب من رُخص فی کتابة العلم

۱۶۔ صحیفۃ ہمام بن منبہ پر ایک تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ کی ہے دوسرے نسخہ پر ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب نے تحقیق تخریج کا کام کیا ہے۔ یہ نسخہ مکتبۃ الخانجی قاہرہ سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ۷۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ أبي حنیفہ، النعمان بن ثابت، کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن الشیبانی یہ ایک جلد میں مختلف حضرات کی تعلیقات کے ساتھ متعدد مطابع سے شائع ہو چکی ہے۔ جس میں الرحیم اکیڈمی اور ادارۃ القراہ شامل ہیں، اس کا مسند امام اعظم کے نام سے محمد حسن نے ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ سعید پرسنز کراچی

۱۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۶۷

۱۹۔ الرسالۃ المستطر ص/۷۴

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، سیرت نبوی ص/۳۲،

۲۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، ۲،۱، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

۲۳۔ ایضاً، ۱، ۳۹۰۔۴۵۲

۲۴۔ ایضاً، ۱، ۴۶۴۔۴۹۳

۲۵۔ ایضاً، ۵۰۰، باب ماجاء فی اسماء رسول اللّٰہ

۲۶۔ ایضاً، ۵۰۱

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً ج/۲،۳،۵۶۳۔۶۴۲ (آنحضرت ﷺ کے غزوات اور سرایا کی تفصیل)
۲۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ج/۱، ۱۰۸ باب الوحی الی رسول اللہ (کتاب الایمان)
۳۰۔ ایضاً، ۱، ۱۱۱
۳۱۔ النسائی، السنن، ۲، ۵۹
۳۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲،
۳۳۔ الخطیب، مشکوۃ المصابیح، ۵
۳۴۔ ایضاً، ۵۲۴
۳۵۔ ایضاً، ۵۲۶
۳۶۔ قاسمی، محمد مسعود عالم، فتنہ وضع حدیث اور موضوع احادیث کی پہچان ص/۳۶، اہلحدیث ٹرسٹ کورڈ روڈ کراچی
۳۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ج/ص/۶، بحوالہ الاجوبۃ الکاملۃ
۳۸۔ ایضاً، ص/۷
۳۹۔ شبلی نعمانی کا یہ اصول قابل تحقیق ہے۔ موصوف درایت وعقل میں فرق قائم نہیں رکھ سکے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ابوالبرکات کی اصح السیر ص/۳۰۔۳۱ اور شبلی خود بھی وجوہ عقلی کی وضاحت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ دیکھئے سیرت النبی ج/۱ حصہ اول ص/۵۶ تا ۵۹
۴۰۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت الرسول ج/۱ص/۶۳

تمت بالخیر

❁❁❁
❁

خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس　　محمد حامد حمد خدا بس

چوتھے اصول: شمائل نبوی ﷺ ہیں

سیرت طیبہ ﷺ کا تفسیر و حدیث کے ساتھ شمائل سے بھی گہرا تعلق ہے۔ شمائل میں آپ ﷺ کے حلیہ مبارک، عادات و خصائل، معمولات زندگی، لباس، نشست و برخاست، قد، رنگ، بال، جسم کے نشیب و فراز، خورد و نوش، مرغوبات و مکروہات، غرض بشری احوال کی تفصیلات جمع کی جاتی ہیں۔

سیرت کا شمائل سے تعلق: ہر سیرت نگار کو سیرت پر لکھتے ہوئے جہاں افکار و خیالات کو پیش کرنا ہوتا ہے وہیں شخصیت کے ذاتی خدوخال کو بھی پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ سامع و قاری اس مسحور کن شخصیت کو اپنے سامنے کھڑا ہوا محسوس کرے، اور یہ شمائل سے استفادہ کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

شمائل کا مطالعہ کرنے سے نبی کریم ﷺ کا جسمانی ہیولی پوری تفصیل کے ساتھ اس طرح نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے گویا آپ ﷺ (فداہ أبي وأمي) سامنے کھڑے ہیں، جس حد تک شمائل میں جزئیات نگاری کی گئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی اس مأخذ کی خصوصیت ہے۔(۱) سیرت نگاروں نے اسے بھی اصل و مصدر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔(۲) سیرت طیبہ ﷺ اور شمائل قریب المفہوم ہیں۔ شمائل میں زیادہ تر آپ کی ذات ذاتی احوال و جسمانی کیفیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جبکہ سیرت میں عموماً تعلیمات کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔

موضوع پر تصانیف کا جائزہ: شمائل و اخلاق کے عنوانات سے اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ کچھ حضرات نے اسے مستقل عنوان سے جداگانہ کتابی شکل میں مرتب کیا ہے کچھ

حضرات نے کسی کتاب کا حصہ بنا کر اخلاقیات کے عنوانات کے ساتھ ضمناً ذکر کیا ہے۔ کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں۔ جہاں اخلاقیات ہی کے عنوان سے مستقل کتابی شکل میں اس مواد کو جمع کیا گیا ہے۔ اور کتابوں کی تیسری قسم وہ ہے جس میں اس موضوع پر مواد متفرق ناموں سے جمع کیا گیا ہے۔

کتب شمائل میں اوّلیت کا شرف بہرحال ''شمائل ترمذی'' کو حاصل ہے جس کا اصل نام ''الشمائل النبویہ والخصائل المصطفویہ'' (یا کتاب الشمائل) ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے بعد کی کتب سیرت و شمائل کے مندرجات کو ایک نئی سمت عطا کی ہے۔ امام ترمذی نے چار سو احادیث کی مدد سے ''الشمائل'' مرتب کی اور ان کو ٦۰ بابوں میں تقسیم کیا۔ اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ کے حلیۂ مبارک، لباس، آلات حرب، نشست و برخاست، خورد و نوش، عادات و خصائل، معمولات و عبادات، اسما و عمر شریف، گزر اوقات، وصال اور میراث کا تفصیلی ذکر ہے۔ شمائل ترمذی کی ایک خصوصیت اس کی جزئیات نگاری ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایسی احادیث بھی ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ جن میں بظاہر چھوٹی سے چھوٹی بات تھی، مثلاً حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ضمن میں آپ ﷺ کے قد، رنگ، بال، بدن، سر، ناک، ہاتھ، پاؤں، چہرہ، دہانہ، چشم و ابرو، مژگاں، چال، مہر نبوت، مانگ، ڈاڑھی، رخسار، دانت، گردن وغیرہ کی واضح تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اسی طرح آپ کے پہناوے میں لباس، انگوٹھی، نعلین مبارک، عمامہ، لنگی، پاجامہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خورد و نوش میں آنحضرت ﷺ کے مرغوب سالن، پھلوں، سبزیوں، جانوروں اور پرندوں کے گوشت کا بیان ہے اور پسندیدہ مشروبات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی حس مزاح، سونے اور جاگنے کے معمولات، شاعری اور قصہ گوئی سے دلچسپی اور نماز، روزہ اور عبادات سے شغفت کا دلاویز بیان ہے۔ ''کتاب الشمائل'' سے ہی آنحضرت ﷺ کے عادات و خصائل، حلم و تواضع، مساوات، شفقت، ملازموں سے برتاؤ، شرم و حیا، فقر و استغنا وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ یوں یہ کتاب آنحضرت ﷺ کے بشری احوال کی تفصیلات کا ایک قیمتی اور مستند ریکارڈ ہے۔ اردو میں اس کے دس تا بندرہ تراجم و شروحات شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ مستقلاً اس موضوع پر شمائل کے نام سے درج ذیل تصانیف ہیں۔

۱...... الاتحافات الربانية بشرح المشائل الحمدية ـ محمد عبدالجواد الدومی

۲...... أرجوزة في الشمائل ـ لمصطفى بن كمال الدين الصديقي الكبيرى (۱۱۶۲ھ)

۳...... أشني الوشائل بشرح الشمائل ـ لاسماعيل بن محمد العجلوني الدمشقي (۱۱۶۲ھ)

۴...... أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل ـ لأحمد بن محمد ابن حجر الهيثمي (۹۷۳ھ)

۵...... اقوام الوسائل في ترجمة الشمائل ـ لاسحاق خوجة سی احمد بن خير الدين (۱۱۲۰ھ)

۶...... حفة الاخيار على شمائل المختار ـ لأبی الحسن علی بن محمد الحريثي الغاسي (۱۱۴۲ھ)

۷...... تهذيب الشمائل ـ لملاّ عرب محمد بن عمر الواعظ (۹۳۸ھ)

۸...... جمع الوسائل في شرح الشمائل ـ لعلی بن سلطان القاری (۱۰۱۳ھ)

۹...... الروض الباسم في شمائل المصطفى أبي القاسم ـ لزين الدين محمد عبد الرؤوف المناوی (۱۰۳۱ھ) اختصار شمائل ترمذی

۱۰...... روضة النبی فی الشمائل ـ لحبيب الله القنوجی (۱۱۴۰ھ)

۱۱...... زهر الخمائل على الشمائل ـ للحافظ السيوطی (۹۱۱ھ)

۱۲...... زواهر الأنوار وبواهر الأبصار والاستبصار فی شمائل النبی المختار، ليحی بن يوسف بن يحيی الصرصری (۶۵۶ھ)

۱۳...... سيّدنا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم: شمائل الحميدة و خصاله المجيده ـ للشيخ عبدالله سراج الدين الحلبی

۱۴...... شرح الشمائل للترمذی ـ لابراهيم بن محمد ابن عربشاه (۹۴۳ھ)

۱۵...... شرح الشمائل للترمذی ـ للملاّ محمد الحنفی

۱۶...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لزین الدین محمد عبد الرؤوف بن علی المناوی (۱۰۳۱ھ)
۱۷...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لسلطان بن أحمد المصری المزاجی (۱۰۷۵ھ)
۱۸...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لعبد اللّٰہ الحموی الحمدونی الازہری (۱۱۳۳ھ)
۱۹...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لاسماعیل بن محمد العجلونی (۱۱۶۲ھ)
۲۰...... شرح الشمائل للترمذی ۔ لحسن بن عبداللّٰہ البخشی الجلی (۱۱۹۰ھ)
۲۱...... شرح الشمائل ۔ لمحمد بن القاسم المغربی، المعروف بالجسوس (۱۲۰۰ھ کی تصنیف)
۲۲...... شرح الشمائل ۔ لسلیمان بن عمر المعروف بالجمل (۱۲۰۴ھ)
۲۳...... شرح الشمائل ۔ لعبداللّٰہ نجیب العینتابی شارح الشفا (۱۲۱۹ھ)
۲۴...... شرح الشمائل للترمذی ۔ للباجوری (۱۲۷۷ھ)
۲۵...... شرح الشمائل ۔ لمحود بن عبدالحسن ابن الموقع الدمشقی (۱۳۲۱ھ)
۲۶...... الشمائل النبویة والخصائل المصطفویة ۔ لحمد بن عیسی الترمذی (۲۷۹ھ)
۲۷...... شمائل النبیؐ ۔ لأبی العباس جعفر بن محمد المستغفری (۴۳۲ھ)
۲۸...... شمائل الرسول و دلائل نبوته و فضائله و خصائصه ۔ لأبی الغداء اسماعیل بن کثیر (۷۷۳ھ)
۲۹...... الشمائل بالنور الساطع الکامل ۔ لعلی بن محمد بن ابراهیم الغرناطی ابن المقری (۵۵۲ھ)
۳۰...... الشمائل ۔ للسیّد الصفوی (مخطوطه)

۳۱...... شمائل النبی ۔ لمصلح الدین اللاری محمد بن صلاح الدین (۹۸۹ھ)

۳۲...... الشمائل ۔ للعبد الأول بن علی بن العلاء الحسینی الدھلوی

۳۳...... شمائل الرسول و شخصیته الانسانیة ۔ لأنور الجندی

۳۴...... شیم الحبیب فی ذکر خصال الحبیب ۔ لالھی بخشی (۱۲۴۵ھ)

۳۵...... صنف عین الرحمة والنور فی شمائل النبیّ المبرور ۔ لمحمد ثابت بن عبداللّٰہ القصری (۱۳۱۱ھ)

۳۶...... عنوان الفضائل فی تلخیص الشمائل ۔ لحمد بن مصطفی البکری (۱۱۹۶ھ)

۳۷...... عین الرحمة والنور فی شمائل النبیّ المبرور ۔ لحمد ثابت بن عبداللّٰہ القیصری (۱۳۱۱ھ)

۳۸...... فُتیة السائل فی اختصار الشمائل ۔ لمحمد بن جعفر المکستانی (۱۳۴۵ھ)

۳۹...... کتابة علی الشمائل ۔ لعلی بن زین الدین الأجھوری (۱۰۶۶ھ)

۴۰...... کشف اللّثام عما جاء من الأحادیث النبویة فی شمائل المصطفی علیه الصلاة والسلام ۔ لمحمد بن محمد الروضی المالکی (تصنیف سنہ ۱۱۰۳ھ)

۴۱...... مطالع الأنوار فی شمائل المختار ۔ للحافظ محمد بن عتیق الأذدی الغرناطی (۶۴۶ھ)

۴۲...... منیة السائل خُلاصة الشمائل ۔ لمحمد بن عبد الحیّ بن عبد الکبیر الفاسی (۱۳۸۲ھ)

۴۳...... المواھبُ اللدنیة علی الشمائل المحمدیة ۔ لإبراھیم بن محمد الباجوری (۱۲۷۷ھ)

۴۴...... المواھب المحمدیة بشرح الشمائل الترمذیة ۔ لسلیمان بن عمر، المعروف بالجمل (۱۲۰۳ھ)

۴۵...... نظم الشمائل المحمدية والسيرة المصطفوية ـ لعبد الحفيظ مولوى

۴۶...... وسائل الوصول إلى شمائل الرسول ـ ليوسف بن اسماعيل النبهانى (۱۳۵۰ھ)

۴۷...... الوفا لشرح شمائل المصطفى ـ لعليّ بن ابراهيم الحلى، صاحب السيرة (۱۰۴۴ھ)

۴۸...... ينابيع المودّة فى شمائل النبيّ صلى الله عليه وسلم ـ لسليمان بن إبراهيم القندوزى (۱۲۹۴ھ)

۴۹...... شمائل النبيّ ـ ابو العباس مستغفرى (م۴۳۲ھ)

۵۰...... شمائل النور ـ ابن المقرى غرناطى (م۵۵۲ھ)(۳)

۵۱...... شمائل و اخلاق نبوی ﷺ، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی ()اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے کیا ہے۔

۵۲...... شرح الشمائل للترمذی۔ (مترجم وشارح) مولانا محمد ذکریا کاندھلوی

کچھ کتابیں وہ ہیں جو اسی موضوع پر اخلاقیات کے عنوان سے لکھی گئی ہیں۔

۱...... اخلاق رسول الله ـ لابن حِبّان، اختصار الإمام محمد بن الوليد الفهرى الطرطوشى (۵۲۰)

۲...... أخلاق النبيّ ـ لحمد بن عبد الله الورّاق (۲۴۹ھ)

۳...... أخلاق النبيّ و آدابه ـ لحمد بن حِبّان بن أحمد البُستى الأصبهاتى، أبو حاتم (۳۵۴ھ)

۴...... أخلاق النبيّ ـ لأبى الشيخ عبدالله بن محمد الاصبهانى (۳۶۹ھ)

۵...... الروض الزاهر فى خلق النبيّ الطاهر ومولده الباهر ـ ليحيى بن أحمد البلخى

۶...... الروضة النادرة فى أخلاق المصطفى الباهرة ـ ليحيى بن يوسف الصرصرى (۶۵۶ھ)

۷...... سعادة الدارين فى أخلاق سيّد الكونين ـ منظومة لفاضل بك

۸...... شمس الافاق فیما للمصطفی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم من کرم الأخلاق۔ لحمد علی ابن علاّن المکی (۱۰۵۷ھ)

۹...... محمد ومکارم الأخلاق۔ لأحمد حامد

۱۰...... من أخلاق النبیّ۔ لأحمد الحوفی

۱۱...... ناصر المحسنین فی أخلاق سیّد المرسلین۔ للحکیم ناصر بن علی الغیانیوری (۴)

کچھ تصانیف اسی موضوع پر وہ ہیں جو متفرق عنوانات سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے اہم ترین کتاب قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی ''کتاب الشفا'' ہے۔ جو چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ان قرآنی آیات پر محیط ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کی تعظیم و توقیر کی ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کی پیدائش، سراپا، اخلاق، مناقب، فضائل، معجزات اور نشانیوں کا بطور خاص تذکرہ ہے۔ دوسرا حصہ ان حقوق کے بیان کے لئے واقف ہے، جن کی بجا آوری امت پر فرض کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ ﷺ کی اطاعت کرنا، آپ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا، آپ ﷺ کی محبت دل میں رکھنا اور آپ پر درود و سلام بھیجنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ ان امور پر مشتمل ہے جو حضور ﷺ کے لئے جائز یا ممنوع ہیں یا وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔ اس کے دو ابواب ہیں۔ باب اوّل میں وہ امور دینی مذکور ہیں جن سے عصمت رسول اللہ ﷺ ثابت ہوتی ہے اور باب دوم میں حضور ﷺ کی دنیوی حالات کا بیان ہے، جو بشریت کی وجہ سے آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔ چوتھا حصہ ان احکام کی وجوہات کے بیان کے لئے مخصوص ہے، جو (معاذ اللہ) سب و تنقیص کر کے آنحضرت ﷺ کی شانِ ارفع و اعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یعنی وہ امور جن کی نسبت اگر حضور ﷺ کی طرف کر دی جائے تو وہ سب و نقص ہیں، خواہ وہ اشارۃً ہوں یا صراحۃً۔ اسی حصے میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے۔ اردو میں اس کے تقریباً تین تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ عربی میں اس کتاب پر متعدد حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ درج ذیل تصانیف اسی موضوع پر ہیں۔

۱...... إزالة الخضاعن حلية المصطفى ـ لعبد الغنى بن اسماعيل النابلسى الدمشقى (۱۱۴۳ھ)

۲...... أشرف الوسائل فى أوصاف سيّد الأواخر والأوائل ـ لعمر بن نوح الوانى (۱۱۲۶ھ)

۳...... بطل الأبطال أو أبرز صفات النبىّ محمد صلّى الله عليه وسلم ـ لعبد الرحمن عزّام (۱۹۷۶م)

۴...... بهجة الأخيار فى حلية المختار ـ لحمد حسن بن عبدالله البخشى الحلبى (۱۱۹۰ھ)

۵...... تحفة الألباب فى حلية النبى والأصاب ـ لوحدى الرومى إبراهيم بن مصطفى (۱۱۲۶ھ)

۶...... تلخيص أوصاف النبى المصطفى و ذكر من بعده من الخلفا ـ لمرعى بن يوسف الكرمى (۱۰۳۳ھ)

۷...... تلخيص صفة النبىّ صلّى الله عليه وسلم ـ لناصر الدين الألبانى

۸...... توشيح التقويم فى شرح حلية الرسول الكريم ـ لوحدى الرومى إبراهيم بن مصطفى بن محمد (۱۱۲۶ھ)

۹...... حلية المقتفى فى حلية المصطفى ـ لسريجا بن محمد الملطى (۷۸۸ھ)

۱۰...... حلية النبىّ عليه السلام ـ للز محشرى جاز الله محمود بن عمر (۵۳۸ھ)

۱۱...... حلية النبىّ عليه السلام، باسناد عن الإمام على (مخطوطه)

۱۲...... حلية شريفة من الشفا ـ لابراهيم بن محمد الحلبى (۹۵۶ھ)

۱۳...... ذريعة الإبرار فى نعت النبىّ المختار ـ قصيدة لامية لشافى أفندى

۱۴...... السراج المنير فى وصف محمد البشير النذير ـ لأبى بكر بن الحبشى البسطامى (مخطوطه)

۱۵...... صفة النبىّ صلّى الله عليه وسلّم ـ لأبى البخترى وَهب بن

وهب (۲۰۰ھ)(الفہرست ۲۱۳)

۱۶...... صفة النبیّ، صلیّ اللّٰہ علیه وسلم ۔ للمد ائنی علی بن محمد (۲۲۵ھ)

۱۷...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ لا بن ابی الدنیا (۲۸۱ھ)

۱۸...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ لاسماعیل بن اسحاق القاضی (۳۸۲ھ)

۱۹...... صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وصفة اخلاقه ۔ روایة ابی علی محمد بن هارون بن شعیب الأنصاری (۳۵۳ھ)

۲۰...... صفات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ وصفات الصحابة والخلفاء الراشدین ۔ لعامر بن الحسن الهکسعی تمت کتابته سنة (۱۲۶۹ھ)

۲۱...... غرة الغرر فی حلیة المختار أشرف البشر ۔ نظم لمصطفی بن کمال الدین بن علی البکری (۱۱۶۲ھ)

۲۲...... الکمالات الإلٰهیة فی الصفات المحمدیة ۔ لعبد الکریم بن إبراهیم الجیلی (۸۲۰ھ)

۲۳...... القول المنیف فی بیان خلق رأسه الشریف ۔ لحمد بن محمد البدیری الدمیاطی (۱۱۳۳ھ)

۲۴...... مرآة الحسن البدیع فی حلیة الرسول الشفیع ۔ لعبد الرحمن بن عبدالقادر بن الکیلانی البغدادی

۲۵...... مطالع الأنوار البهیة فی الحلیة الجلیلة النبویة ۔ للمحدث عبدالحق بن سیف الدین الدهلوی

۲۶...... مطالع الأنوار النبویة فی صفات خیر البریة ۔ لیحیی بن عبدالله الواسطی (۷۷۴ھ)

۲۷...... نهایة السول فی حلیة الرسول ۔ لعبد الغنی بن اسماعیل النابلسی (۱۱۴۳ھ)(۵)

کچھ شمائل کا حصہ وہ ہے جو صحاح ستہ سمیت مختلف کتب احادیث میں مختلف عنوانات کے ساتھ شامل ہے۔ مثلاً صحیح بخاری میں کتاب الادب، کتاب الاستئذان، کتاب اللباس کے نام و عنوان سے موجود ہے۔ صحیح مسلم میں کتاب البر والصلۃ و الآداب، کتاب فضائل النبی، کتاب اللباس و الزینۃ، کتاب الزہد والرقائق کے عنوانات کے ساتھ موجود ہے۔ جامع ترمذی میں مستقل شمائل کے علاوہ ابواب البر والصلۃ اور ابواب الاستئذان کے عنوانات کے ساتھ شمائل موجود ہیں۔ یہی صورت حال تقریباً تمام کتب احادیث کی ہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کآں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

چوتھے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت ص/۱۷۳۔۱۷۴

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الدکتور مهدی رزق الله کی السیر النبویة فی ضوء المصادر الاملیة ص/۱۸، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۱۷۳ تا ۱۷۶ اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹

۳۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ما الف عن رسول الله دار الکتب الجدید بیروت ۱۹۸۲ء ص/۱۹۲

۴۔ ایضاً ص/۱۸۴۔۱۸۵

۵۔ ایضاً ص/۱۷۷۔۱۷۹

تمت

پانچواں اصول: علم مغازی وسرایا ہیں

امام ابن حجرؒ لکھتے ہیں سیر لفظ سیرت کی جمع ہے اوراس کا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ان حالات سے مآخوذ ہوتے ہیں جو غزوات میں پیش آئے۔(۱)

غزوہ، مغزی جمع ہے مغازی کی جس کے معنی ہیں قصد وارادہ۔ شریعت میں معنی ہیں کفار سے قتال کرنا۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں مغازی سے مراد رسول اللہ ﷺ کا بہ نفس نفیس یا اپنے لشکر کے ذریعہ کفار کا قصد کرنا یہ قصد کفار کے شہروں کا ہو یا جہاں وہ اترے ہیں۔(۲) بعد میں مغازی کے معنی میں وسعت پیدا ہوگئی اور مغازی کا اطلاق صرف غزوات پر نہیں بلکہ سیرت پر بھی کیا جانے گا۔

سیرت کا مغازی سے تعلق: علم السیر، حدیث شمائل اور مغازی ایک ہی تصور کے مختلف رخ ہیں۔ اس لئے کہ ان سب کا موضوع نبی کی ذات، تعلیمات اور آپ کا عمل ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کا ایک پہلو رحمۃ للعالمین ہونا ہے۔ تو اسی رحمت کا دوسرا تقاضہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔ جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معهٗ أشدّاءُ علی الکفار رحماء بینھم۔ (۳)

محمد ﷺ رسول اللہ اور جو صحابہ ان کے ساتھ ہیں یہ کفار کے مقابلہ میں سخت اور باہمی معاشرت میں نہایت رحمدل ہیں۔

بقول اقبال ؎

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

مسلمان اپنے آغاز عہد سے حالت جنگ میں رہے اسلام کو مٹانے کے لئے خفیہ

سازشوں کے ساتھ تیر وتفنگ کا استعمال بھی کیا گیا۔ جس کا جواب دینا ہر مرد کامل اور باغیرت انسان کا حق ہے۔ اس جوابی کارروائی کا حصہ دفاعی کے ساتھ کبھی اقدامی بھی ہوتا ہے۔ مجموعی سرگزشت کو غزوہ، جہاد، قتال کا نام وعنوان دیا جاتا ہے۔ مسلمان فتح مکہ تک مسلسل حالت جنگ میں رہے اور جینے کے لئے مسلسل لڑتے رہے اور لڑائی کے لئے قربانی کے جذبوں کو مہمیز کرنے کے لئے غزوات کے واقعات سنائے جاتے یہ واقعات جاہلی تفاخر حسب ونسب کا علاج بھی تھے اور جہادی جذبوں کو فروغ دینے کا ذریعہ بھی ان جہادی واقعات کے ذریعہ تخریبی، رواتی من گھڑت قصہ کہانیوں سے مسلمانوں کی محفلوں کے گرمانے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا، پھر اس روایت میں استحکام و دوام وقبولیت پیدا کرنے کے لئے ان غزوات کو صحت کے ساتھ قلمبند کرنے کا آغاز بھی کیا گیا ابتداءً جتنی کتابیں لکھی گئیں، سب کا نام مغازی تھا۔ خواہ اس جہاد میں آپ ﷺ نے شرکت کی ہو یا نہ کی ہو، حالانکہ اصطلاحاً غزوہ صرف وہ تھا جس میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے، جہاں آپ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی اسے سریہ کہا جاتا تھا۔ قاضی اطہر صاحب کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ نے ۲۷ غزوات میں حصہ لیا اور ۵۷ سرایا ہوئے۔(۴) البتہ کچھ وقت گزرنے کے بعد اہل مغازی اور اہل حدیث دو الگ الگ جماعتوں کی شکل اختیار کر گئے، اس کی ایک فطری وجہ بھی تھی وہ یہ کہ محدثین نے اخذ وقرأت حدیث کے لئے جن شرائط کو ملحوظ رکھا تھا۔ اہل مغازی نے اس کا بھرپور لحاظ نہیں رکھا۔ حدیث کی طرح مغازی کے بھی خصوصی مکاتب واساتذہ وجوہ میں آئے (اس حوالہ سے "سیرت کے ارتقاءٗ میں تفصیلاً روشنی ڈال چکا ہوں) بقول شبلی نعمانی:

> محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری ومسلم ایک طرف۔ ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے

مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے۔(۵)

کتب مغازی اور کتب سیرت النبی ﷺ (جس کی جمع سیر ہے) جیسا کہ پہلے وضاحت کر چکا ہوں دونوں ایک ہیں اور سیرت کے مضمون کا دونوں عنوانات احاطہ کرتے ہیں۔ تمام سیرت نگاروں نے سیرت کے مآخذ میں اسے بھی شامل کیا ہے۔(۶) میں نے اسے حدیث کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ بھی حدیث ہی ہے لیکن بالاتفاق محدثین حدیث سے کم درجہ کی کتب ہیں۔ اس لئے کہ کتب مغازی میں روایت کے ساتھ درایت کے اصولوں کی مکمل پابندی نہیں کی جاتی، حالانکہ بقول مولانا کاندھلوی محدثین نے جرح و تعدیل کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ حدیث و سیرت دونوں کے لئے ہیں۔(۷) یہی شبلی نعمانی کی بھی رائے ہے۔(۸)

محدثین نے نقد روایت کے جو اصول قائم کئے تھے، ان میں سے بیشتر سیرۃ کی روایتوں میں نظرانداز کر دیئے گئے، کتب احادیث سے بے اعتنائی برتی گئی، سیرۃ میں قدماء نے جو کتابیں لکھیں ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں وہ انہیں کے نام سے کیں اور اس میں تدلیس کا عمل جاری ہوگیا، روایت کے مختلف مدارج کا خیال نہیں رکھا گیا، واقعات میں سلسلہ علت و معلول قائم نہیں کیا گیا، نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم نہیں رکھا گیا اور کبھی روایت میں قیاس کو بھی شامل کر لیا گیا، خارجی اسباب کے حوالے سے روایت کو نہیں پرکھا گیا، دلائل عقلی اور قرائن حالی کی پروا نہیں کی گئی۔(۹)

بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغربی سیرۃ نگاروں نے قدیم سیرۃ نگاروں کی ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور میور Sir William Miur جیسے مصنفین نے تو ان پر بنیاد رکھ کر افسانے تراش لئے، جس کے خلاف سرسید کو خطبات احمدیہ اور شبلی کو سیرۃ النبی لکھنی پڑی۔ شبلی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یورپ کا کوئی عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پر قلم اٹھانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا اور اس بیان میں مبالغے کے باوجود اتنی حقیقت ضرور ہے کہ مغربی سیرۃ نگاروں کی دو بنیادی کمزوریاں یا اصول واضح ہیں، اول تو (الحاد اور لادینی کے باوجود) ان کا مزاجاً عیسائی ہونا، دوم ان کا یہ دعویٰ کہ وہ سیرۃ میں معروضی نقطۂ نظر سے (جو علمائے یورپ کا عام نقطہ نظر ہے) کام لینے پر مجبور ہیں۔ منٹگمری واٹ Montgommery Watt جیسے بظاہر غیر جانبدار سیرت نگار نے بھی یہی دعویٰ کیا

ہے۔ مغربی نقاد قدیم سیرۃ نگاری کو تذکرۃ المقدسین (Hagiography، جس میں مقدس ہیرو کے مناقب بڑھا چڑھا کر بیان کئے جاتے ہیں) کے زمرے میں شامل کر کے اسے ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں اور مدعی ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کو ایک بشر اور ایک عام لیڈر سمجھ کر ان کی بے لاگ سوانح عمری لکھیں گے۔ منٹگمری واٹ نے اسی دعوے کے ساتھ اپنی کتاب What is Islam میں آنحضرت ﷺ پر بطور قائد نظر ڈالی ہے، لیکن اس طریق کار میں کمی یہ ہے کہ فاضل مصنف مقام و منصب نبوت سے ہٹ کر سرور کائنات ﷺ کو ایک عام قائد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے حالانکہ اس قیادت میں جو نبوت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں جو ایک عام ذہین و فطین قائد سے ظہور میں آتی ہے بڑا فرق ہے۔ اسی طرح بعض مصنفین نے انہیں بطور فاتح اور سپہ سالار پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں لفظ مغازی سے بے جا فائدہ اٹھایا ہے۔

بہر حال یہ نقطۂ نظر کا فرق ہے اور ان تعصبات کی تو کوئی حد ہی نہیں جو تنقیدی Critical اور علمی Scientific طریق کار کی آڑ میں ظاہر ہوئے ہیں اور جن میں مغرب کے اکثر سیرت نگار مبتلا نظر آتے ہیں۔(۱۰)

قطع نظر مغربی سیرت نگاروں کے مسلمانوں نے اس شعبہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، ان صاحب تصانیف سیرت نگاروں میں زیادہ معروف و اہم یہ ہیں، ابان بن عثمان غنیؓ (۸۶ھ ـ ۱۰۰ تا ۱۰۵ھ)، عروہ بن زبیرؓ (م ۹۴ھ)، شرجیل بن سعد (م ۱۲۳ھ)، وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۰ھ)، عاصم بن عمر (م ۱۱۰ھ)، ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)، موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)، معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ)، محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، ابو معشر السندی (م ۱۷۰ھ)، الواقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) اور محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) وغیرہ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی کتابوں کو امہات الکتب کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ باقی کتابیں ان کے بعد لکھی گئی ہیں اور ان میں مذکور واقعات و احوال کم و بیش انہی ابتدائی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ آپ ﷺ کے محاسن و محامد کے بیان میں صحابہ کبارؓ اور ابتدائی دور کے شعراء کے اشعار بھی انہی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں مذکور روایات اور واقعات کو سیرتوں میں کثرت اور تسلسل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ان کتب سیرت سے بطور خاص

استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔(۱۱)

مغازی پر اہم کتب کا جائزہ: ''مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ عروہ بن زبیر کی سیرت النبی ﷺ پر پہلی تصنیف ہے۔اسے آپ کے شاگرد ابوالاسود نے روایت کیا ہے، جن کا نام محمد تھا، یہ قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ تھی، اسے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن نے کیا ہے۔ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء سے شائع ہوا۔(۱۲) عربی نسخہ کب اور کہاں سے شائع ہوا، تفصیل نہیں مل سکتی ہے۔(۱۳) اس کے علاوہ درج ذیل افراد کی مغازی زیادہ مشہور ہیں۔

ابن شہاب زہری (۵۱ھ۔۱۴۴ھ) کی کتاب المغازی (آپ نے یہ کتاب غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز، فرمائش پر لکھی۔(۱۴)

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل (م ۱۳۱ یا ۱۳۷ھ) کی کتاب: المغازی،

موسیٰ بن عقبہ بن ربیعہ بن ابی عیاش الاسدی (۵۵ھ۔۱۴۱ھ) کی کتاب المغازی،

معمر بن راشد (۹۶ھ۔۱۵۰ھ) کی کتاب المغازی (۲۲۷ھ)

محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (۸۵ھ۔۱۵۱ھ) کی کتاب المغازی والسیر (۲۲۸)

ابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب المیری م ۲۱۳) کی سیرت رسول اللہ ﷺ، (محمد بن اسحاق کی کتاب کی ترمیم شدہ شکل ہے)

ابومحشر السندی (م ۱۷۰ھ) کی کتاب المغازی (۱۵)

ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ۔۲۰۷ھ) کی التاریخ والمغازی والمبعث اور اس کے علاوہ ازواج النبی ﷺ، وفات النبی ﷺ'' السیرۃ وغیرہ (۱۶)

محمد بن سعد بن منیع الزہری (۱۶۸ھ۔۲۳۰ھ) کی طبقات الکبیر، طبقات الصغیر، تاریخ اسلام، کتاب اخبار النبی ﷺ (۱۷)

ولید بن مسلم القرشی (م ۱۹۵ھ) کی کتاب المغازی، عبدالرزاق بن ہمام النافع الحمیر (م ۲۱۱ھ) کی کتاب المغازی،

ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم (م ۲۸۵ھ) کی کتاب المغازی،

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری (م ۴۰۶ھ) کی شرف المصطفی (آٹھ جلدوں پر مشتمل سیرت رسول ﷺ ہے)

امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) کی الدرونی اختصار المغازی والسیر ۔(۱۸)

قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو (م ۴۴ھ) کی الشفاء بجر یف حقوق المصطفی ﷺ،

ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) کی الروض الانف (دو جلدوں میں سیرت ابن ہشام کی شرح ہے)

حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) کی شرف المصطفی ﷺ (۱۹)

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد بن مسعود گازرونی (م ۶۹۴ھ) کی المنتقی فی سیرۃ المصطفی (سیرت گازرونی کے نام سے معروف ہے)

محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری (م ۶۹۶ھ) کی خلاصۃ السیر (سیرت نبوی کی بارہ مختلف کتابوں کا انتخاب)

حافظ عبدالمومن الدمیاطی (م ۷۰۵ھ) کی المختصر فی سیرۃ سید البشر (۲۰) (سیرت دمیاطی کے نام سے مشہور ہے)

ابوالفتح محمد بن الفتح محمد بن ابن سید الناس اندلسی (م ۷۳۴ھ) کی عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر

علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب سعد زرعی دمشقی (ابن قیم جوزیہ م ۷۵۱ھ) کی زاد المعاد فی ہدیٰ خیر العباد (۲۱) (سیرت اور خصائل وشمائل کے موضوع پر تحقیقی کتاب ہے)

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کی السیرۃ النبویہ، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

حافظ ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی (م ۸۴۱ھ) نے نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس کے نام سے عیون الاثر کی شرح لکھی ہے۔(۲۲)

علاؤ الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) کی سیرۃ مغلطائی کے نام سے مشہور ہے،

شیخ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانی (م۹۲۳ھ) کی سیرت پر المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ فی السیرۃ النبویہ۔(۲۳)

محدث محمد بن یوسف الشامی (م۹۴۲ھ) کی کتاب سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔

سیرت شامیہ کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب میں حضور ﷺ نے فضائل و احوال شرح سے آخر تک سب تحریر کئے ہیں، کتب سیرت میں اکثر اس کے حوالے موجود ہیں۔(۲۴)

علامہ نورالدین علی بن برہان الدین الحلبی (م۱۰۴۴ھ) کی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، (سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے)(۲۵) محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م۱۱۲۲ھ) نے آٹھ جلدوں میں المواہب اللدنیہ (قسطلانی) کی شرح لکھی ہے۔ اور علامہ سید احمد الدحلانی المکی (م۱۳۰۴ھ) کی کتاب، السیرۃ الدحلانیہ، معروف کتابیں ہیں۔(۲۶)

لیکن ان کتب سے استفادہ کرتے ہوئے سیرت نگار کو اصل درایت وروایت پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار (جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹ کی نسبت کی اسے چاہئے کہ جہنم کے عذاب کے لئے تیار رہے) کی وعید سے محفوظ رہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کتب مغازی میں بھی زندگی کے جملہ پہلوؤں مع غزوات (جنگوں) تذکرہ کیا جاتا ہے گویا یہ کتب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں۔ لہٰذا سیرت نگار کو غزوات پر لکھی گئی کتب سے بحیثیت اصل و مصدر استفادہ کرنا چاہئے۔

پانچویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابن حجر، فتح الباری کتاب الجهاد والسير ج/۶ ص/۳
۲۔ ایضاً ج/۶ ص/۲۷۹
۳۔ سورۂ فتح/۲۹
۴۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، تدوین سیر و مغازی، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند ۱۴۱۰ھ ص/۳۵۔۳۹
۵۔ نعمانی، شبلی سیرت النبی ج/۱ ص/۲۲
۶۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، ص/۹۳ تا ۱۳۶، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی سیرت رسول ص/۳۳۔۳۵ محمد مظہر کی اردو میں میلاد النبی ص/۱۵۹، الدکتور محمد سعید رمضان بوطی کی فقه السيرة ص/۲۲، الدکتور مهدی رزق الله کی السيرة النبوية فی ضوء المصادر الأصلية ص/۲۱ وغیرہ۔
۷۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرة المصطفیٰ ج/۱ ص/۴
۸۔ نعمانی، شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۲۳
۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۴۔۱ ص/۱۷۴
۱۰۔ ایضاً ص/۱۷۶۔۱۷۷ محمد حسین ہیکل کے بقول انہوں نے اپنی کتاب حیاۃ محمد انہی دوطرفہ کمزوریوں کے ازالہ کے لئے لکھی ہے۔
۱۱۔ صدیقی، محمد مظفر عالم جاوید۔ اردو میں میلاد النبی ص/۱۷۹
۱۲۔ اس کے محقق فاضل دیوبند ہیں، موصوف کا اس کتاب کے آغاز میں عمدہ مقدمہ ہے۔
۱۳۔ احمد، الدکتور مهدی رزق الله، السيرة النبوية فی ضوء المصادر الأصلية ص/۲۱
۱۴۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۱۹

۱۵۔ ابن ندیم، الفہرست ص/۱۵۱، مترجم محمد اسحٰق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور ۱۹۹۰ء

۱۶۔ الحموی، یاقوت معجم الادباء ج/۷ ص/۵۸

۱۷۔ ابن ندیم، الفہرست ص/۱۵۱

۱۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۱ ص/۵۰۸

۱۹۔ نعمانی، علامہ شبلی۔ سیرت النبی ج/۱ ص/۳۶

۲۰۔ ایضاً ج/۱ ص/۳۵

۲۱۔ ابن قیم، الجوزی، زادالمعاد ج/۱ ص/۲۰ مترجم رئیس احمد جعفری

۲۲۔ سخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ اردو ص/۱۹۰

۲۳۔ یہ سیرت محمدیہ ﷺ کے نام سے عبدالجبار خان آصفی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

۲۴۔ اس کتاب کے معتدد محقق نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ تفصیلی تحقیق یہ بارہ جلدوں میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

۲۵۔ اس کا ایک نام اُم السیر بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نام اسم بامسمیٰ ہے۔ اس کا چھے جلدوں میں انتہائی عمدہ ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند نے کیا ہے۔ یہ پہلے ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اب دارالاشاعت کراچی سے نئی کمپوزنگ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۲۶۔ الدکتور مہدی رزق اللہ نے السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ کے آغاز میں ص/۲۳ تا ۴۲ ایسے ۶۲ افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کی کتب کا ذکر ملتا ہے لیکن کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔ یا ضائع ہو چکی ہیں۔

تمت

چھٹا اصول

معاہدات، مکاتیب، فتاویٰ وطب نبوی ﷺ ہیں

سیرت طیبہ ﷺ سے جدا کر کے کچھ پہلوؤں پر الگ حیثیت میں انہیں مدون کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آپ ﷺ کے معاہدات ومکتوبات کا پہلو ہے، دوسرے آپ کے فیصلے وفتاویٰ ہیں۔ تیسرے طب کے حوالہ سے آپ ﷺ کی ہدایات ہیں۔ یہ موضوعات درج ذیل اقسام پر مشتمل ہیں۔

۱۔ نئے معاہدے یا پرانے معاہدوں کی تجدید
۲۔ خطوط تبلیغی نقطہ نظر سے لکھے ہوئے۔
۳۔ سرکاری نمائندوں کو ارسال کئے گئے۔ خطوط، احکامات وہدایات
۴۔ اجراء دستاویزات ملکیت اراضی واجناس وغیرہ
۵۔ مخصوص افراد کے لئے ہدایات جیسے خطبہ حجۃ الوداع
۶۔ جوابی خطوط
۷۔ مسلمانوں یا غیر مسلموں کی جانب سے آپ کو حکم بنانا اور اس کی روشنی میں فیصلوں کا اجراء عمل میں آنا جسے فتاویٰ کا عنوان دیا گیا ہے۔
۸۔ یا مسلمانوں کا آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا اور آپ ﷺ کا جواب عنایت فرمانا
۹۔ آپ ﷺ کا بیماری میں خود اپنا علاج کرنا۔ بیماری کے لئے دوا تجویز کرنا۔

سیرت کا معاہدات، مکاتیب، فتاویٰ وطب نبوی ﷺ سے تعلق: آپ ﷺ کی شخصیت نبی ہونے کے ساتھ سربراہ وقائد کی بھی تھی۔ اسی حیثیت میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے دیگر اقوام سے معاہدے کئے، ان سیاسی معاہدوں کا آغاز مدینہ

سے شروع ہوتا ہے، گویا آپ ﷺ کی شخصیت کا یہ وہ پہلو ہے جس سے اقوام وملل کے ساتھ معاملات کے اسلوب کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور کسی انسان کے اندر کی انسانیت کو اس کے معاملات ہی سے پرکھا جاتا ہے۔ اور کسی قائد کا خلوص وتعلق اپنے ماتحتوں سے انہی روابط سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے کتنا قریب ہے ان کے اجتماعی و انفرادی مسائل حل کرنے میں کس حد تک متفکر رہتا ہے حتیٰ کہ فکری ومعاشرتی معاملات کے ساتھ ان کے ذاتی معاملات صحت ومرض کی کیفیات میں بھی ان کی رہنمائی کرنا یہ شان صرف آپ ﷺ کی ہے دنیا کا کوئی قائد ایسا نہیں ملے گا، جو اپنے ماننے والوں کے ذاتی مسائل اتنی نچلی سطح پر آکر حل کرتا ہو۔

لہٰذا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے وہ اس اصول سے بھی واقفیت رکھتا ہو اور طب نبوی ﷺ سے بھی اسے آگاہی ہو، تاکہ آپ ﷺ کی شخصیت کے اس پہلو کو بہتر طور پر نکھار کر قاری وسامع کے سامنے پیش کر سکے۔

معاہدہ اس معاملہ کو کہتے ہیں جو دو جانبین سے وجود میں آئے، اقوام عالم میں کئے گئے معاہدات کا نبی ﷺ سے کئے گئے معاہدات سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے کمزور اقوام سے بھی برابری کی بنیاد پر معاہدے کئے اور جب معاہدہ کیا تو اسے ہر قیمت پر باقی رکھا اور معاہدہ کی جو بھی قیمت ادا کرنی پڑی خوش دلی سے ادا کی۔

تیسرے یہ کہ معاہدہ میں فریق ثانی کو تمام ممکنہ رعایات دیں، جبکہ آج دنیا میں رواج ہے کہ معاہدہ طاقت ور کی مرضی سے مسلط کیا جاتا ہے، موقع ملنے پر اسے توڑ دیا جاتا ہے، فقط اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، فریق ثانی کو سخت سے سخت شرائط میں جکڑا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے جو خطوط لکھے ہیں وہ آپ ﷺ کی شخصیت کی وسعت حکمرانی کو نہیں بلکہ عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (۱) اور أحرص الناس علی حیاة (۲) کی ترجمانی کرتی ہے۔ معاہدات کی طرح مکاتیب بھی یکجا کرکے شائع کئے ہیں اور تین مکتوبت ایسے ہیں جو اصل حالت میں آج بھی دستیاب ہیں۔(۳)

مدائنی کہتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ وحی لکھتے تھے۔ اور معاویہؓ آپ ﷺ کے اور قبائل کے درمیان خط و کتابت کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے صلح حدیبیہ لکھا تھا۔ عبداللہ ابن الارقم بادشاہوں کے نام خطوط لکھتے تھے۔ اُبَیْ ابن کعبؓ نے عمان کا خط لکھا تھا۔ عرباض بن ساریہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دعا کی تھی:

اَللّٰھُمَّ عَلِّم معاوِیة الحساب والکتاب

بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ یہودیوں کی تحریر سیکھ لو۔ انہوں نے سیکھا، چنانچہ یہودیوں کو وہی خط لکھتے تھے۔ اور ان کے خطوط کا وہی جواب دیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ہرقل کو روم خط لکھا۔ کسریٰ کو ایران، نجاشی کو حبشہ، مقوقس کو اسکندریہ، منذر ابن ساوی کو بحرین، ہوذہ بن علی کو یمامہ، حارث ابن ابی خمر غسانی کو دمشق، یہ سیرۃ کا عظیم الشان تحریری سرمایہ ہے۔ یہ خطوط حضور ﷺ نے خود لکھوائے۔ اور انہیں حضرات نے لکھے تھے۔ اس لئے بقرینہ غالب ان کے پاس اُس کی نقلیں موجود ہونگی۔

اِن خطوط کے علاوہ یحنہ ابن رویہ صاحب ایلہ کو آپ نے ایک صلح نامہ لکھ کر دیا۔ اہل جربا اور اذرج کو ایک صلح نامہ لکھ کر دیا۔ اہل خیبر سے بٹائی کا معاملہ تحریری ہوا۔ اہل فدک سے تحریری صلح ہوئی۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ: تمیم داری کی قوم داریین کے لئے آپ نے ایک ہبہ نامہ لکھا، جس میں بیت عینون، حیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم سب ان لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لکھدیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ: جب ہجرت کر کے حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ایک معاہدہ حضور ﷺ نے لکھوایا۔ جس میں مہاجرین انصار اور یہود کے حقوق اور مل کر مدینہ کی حفاظت کا قاعدہ بتایا گیا۔ اس کے علاوہ علیحدہ علیحدہ یہود کے قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر، اور بنی قریظہ کے ساتھ آپ ﷺ کا تحریری معاہدہ ہوا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جو قبائل تھے ان میں سے اکثر کے ساتھ آپ کی تحریری صلح ہوئی۔ (۴)

موضوع پر تصانیف: ان معاہدات ومکتوبات پر جو تحریری سرمایہ محفوظ کیا گیا ہے اس کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱...... إعلام السائلين عن كتب سيد المرسلين ۔ لمحمد بن طولون

الصالحی الدمشقی (۹۵۳ھ)(مخطوط)

۲...... تحفة الظرفاء فی جمع مافی الکلاعی من الرسائل النبویة والصحابة والخلفاء ۔ لمحمد بن أحمد الیحمدی الفحصی (القرآن الثانی عشر)(مخطوطه)

۳...... دبلو ماسیة محمد ۔ لعون الشریف قاسم

۴...... رسائل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ للمد ائنی، علی بن محمد (۲۲۵ھ)(مخطوط)

۵...... رُسل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ للمدائنی، علی بن محمد (۲۲۵ھ)(مخطوط)(الفہرست ۱۱۲)

۶...... مجموعة رسائل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۔ لعبد الرضاعلی

۷...... مجموعة الوثائق السیاسیة للعهد النبوی و الخلافة الراشدة ۔ لمحمد حمید اللّٰہ ۔

عربی میں شائع ہوئی، ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے اردو ترجمہ کیا جو مجلس ترقی ادب لاہور سے ۳۴۰/ص پر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا یہ ڈاکٹر صاحب کا پی ایچ ڈی سیاسی وثیقہ جات کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ اس موضوع پر سب سے جامع و مفصل کتاب ہے۔

۸...... المصباح المضیّ فی کُتّاب النبی الأمی ورسله إلی ملوک الأرض من عربی و عجمی ۔ لمحمد بن علی بن أحمد ابن حدیدة الأنصاری سنة (۷۷۹ھ) میں لکھی گئی (مخطوط)

۹...... مکاتیبات النبی للاشراف والملوک ۔ نعمارة بن زید (سخاوی ۵۳۸)

۱۰...... مکاتیب الرسول ۔ لعلی حسین علی الأحمد

۱۱...... من رسائل النبی ۔ لأبی الحجاج حافظ

۱۲...... من کتب له النبی کتاباً وأمانا ۔ لعلی بن محمد المدائنی (۲۲۵ھ) مخطوط)(۵)

۱۳...... اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین شمس الدین محمد بن

علی طولون (٦)

۱۴...... تذکرہ وفود ویلھان وزن مستشرق (۷)

۱۵...... مکاتیب نبوی۔ یزید بن حبیب مصری (۸)

۱۶...... نام رسالات نبویہ عبدالمنعم (۹)

۱۷...... عہود النبی مدائنی (۲۲۵ھ)

۱۸...... المعاهدات والمحالفات فی عهد الرسول ﷺ حسن خطاب وکیل مطبوعہ قاہرہ (۱۳۴۹ھ)(۱۰)

صحابہ کرام کا مرجع تو آپ ﷺ کی ذات ہی تھی، لیکن کچھ غیر مسلم بھی اپنے معاملات فیصلہ کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، اس معاملہ کے دونوں فریق کبھی مسلم و غیر مسلم ہوتے اور کبھی دونوں فریق غیر مسلم ہوتے تھے۔ یہ فیصلے آپ ﷺ کی انصاف پسندی کا مظہر ہیں۔ ان فیصلوں اور فتاویٰ کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔ سیرت نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ کی انصاف پسندی، معاشرتی معاملات اور ادراک مسئلہ پر لکھتے ہوئے ان فیصلوں کا مطالعہ کرے تا کہ قضاء کے جوہر کو نکھارا جا سکے۔

۱...... عبدالحی کتانی کے بقول اس موضوع پر سب سے پہلے حافظ شامی نے کتاب لکھی ہے اور اس کا عنوان ہے:

جماع ابواب سیرة فی احکام و فتاوية (۱۱)

اس فیصلوں کے ساتھ ماننے اور نہ ماننے کے احکامات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

۲...... الفتاویٰ النبوية فی المسائل الدينية والد نيوية حسين بن المبارک الموصولی (۶۴۲ھ)(۱۲)

۳...... أقضية الرسول عليه الصلاة والسلام ظهير الدين على بن عبدالرزاق المرغينانی (۵۰۶ھ)(۱۳)

۴...... أقضية النبی صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن فرج المالکی القرطبی المعروف بابن الطلاع (۴۹۷ھ)(۱۴)(مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء، مصر ۱۳۴۶ھ)

۵...... بلوغ السول من أقضية الرسول ابن قیم الجوزیة محمد بن أبی بکر

(۵۱۷ھ) (مطبوعہ انڈیا ۱۲۹۲ء) (۵) یہ کتاب فتاویٰ امام المفتین و رسول رب العالمین کے نام سے عبدالقادر الأرناؤوط کی تحقیق کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔ دارالمعراج الدولیہ سعودی عرب سے ۱۹۹۷ء میں۔

۶...... فقه النبی ﷺ۔ بن أبی الدنیا عبدالله بن محمد (۲۸۱ھ) (۱۶)

ان فتاویٰ میں عقیدہ توحید و رسالت، تخلیق انسانی، قیامت، مشرکین اور ان کی اولادوں، ہجرت، جہاد، مسح خفین، نماز اور اس کے اوقات، زکوۃ، صدقات سے متعلق سوالات کے جواب دیئے گئے ہیں۔

جہاں تک طب کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر فواد سزگین لکھتے ہیں: تاریخ طب، تاریخ علوم کا سب سے پرانا شعبہ ہے۔ (۱۷) اس شعبہ کے حوالہ سے بھی آپ ﷺ نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی ہے اور علماء نے اسے طب نبوی ﷺ کے نام سے جمع کر دیا ہے۔ اس موضوع پر ابن أبي صيبعہ نے اپنی کتاب عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء میں اور فواد سزگین نے تاریخ علوم تہذیب اسلامی میں جائزہ لیا ہے۔ اس فن کو ابن سینا، ابن نفیس، عبدالطیف بغدادی، الزہراوی، عمار الموصلی، اسحٰق ابن عمران، ابن الجزار وغیرہ نے کمال تک پہنچایا، ان کی کتابوں کو جالینوس، روفوس اور سکندر طرالیسی کی کتابیں قرار دے کر یورپ اپنے درسگاہوں میں طلبہ کو پڑھاتا رہا ہے۔ (۱۸) پھر بھی یہ ظلم ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یونان سے طب اسلامی وجود میں آئی ہے۔ حالانکہ طب نبوی ﷺ سے ہی طب اسلامی وجود میں آئی اور یہ بھی صدقہ ہے محسن انسانیت ﷺ کا اس حوالہ سے جو کتابیں لکھی گئیں ہیں وہ یہ ہیں:

۱...... تخريج و دراسة احاديث الطب النبوی فی الأمهات الستة

مرتب : احمد بن محمد يحيي زبيلة، إشراف محمود نادی عبيدات، مكة المكرمة، جامعة أم القرى، كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة، (۱۴۰۸ھ: ۱۱۸۸/ص) (ایم اے کا مقالہ ہے)

۲...... صحة البدن فی السنة

مرتب: اعتماد حمزة سعداوی، إشراف علی عبدالفتاح علی حسن، جدة، كلية التربية للبنات، قسم الدراسات الإسلامية، (۱۴۰۶ھ، ۳۱۴/ص) (ایم اے کا مقالہ ہے)

۳...... الطب في السنة

مرتب: محمد أحمد محمد السنهوری، إشراف موسی شاهین لاشین (۱۳۹۹ھ، ۳۶۹/ص ایم اے کا مقالہ ہے)

۴...... الطب النبوی

محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیة (ت ۷۵۱ ھ) حلب المطبعة العلمیة، ۱۳۴۷ ھ

القاهرة: دار إحیاء الکتب العربیة، (۱۳۷۷ھ، ۳۳۴/ص) اس کا اردو ترجمہ حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نے کیا ہے۔ مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ اس موضوع پر جامع ترین کتاب ہے۔

۵...... الطب النبوی

مرتب: ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی (ت ۶۴۳ھ) حققه و علق علیه مجدی فتحی السید، طنطا: دار الصحابة للتراث، (۱۴۰۹ھ، ص/۱۰۰)

۶...... الطب النبوی

شمس الدین محمد بن احمد الذهبی تحقیق و تعلیق احمد اعلاء الطب الحدیث، القاهره، مطبعة الحلبی (۱۳۸۰ھ ۱۶۵/ص)

۷...... الطب النبوی و الطب القدیم

مرتب: لمحمد بشیر حقی، أبها: النادی الأدبی، (۱۴۰۴ھ، ۱۵۲/ص)

۸...... الطب النبوی و العلم الحدیث

مرتب: محمود ناظم النسیمی، ط۲، بیروت: مؤسة الرسالة (۱۴۱۲ھ، ۳۹۷/ص)

۹...... قبسات من الطب النبوی و الأدلة العلمیة الحدیثة

مرتب: حسان شمسی باشا، تقدیم علی الطظاوی، جدة، مکتبة السوادی، (۱۴۱۲ھ، ۲۷۷/ص)

۱۱...... مختصر من کتاب الطب النبوی

مرتب: عبدالله بن مسفر، بن عبدالله البشر، الریاض: دار المختار، (۱۳۹۲ھ، ۳۸/ص)وهو اختصار لکتاب الطب النبوی/ لابن قیم الجوزیة(۱۹)

۱۲...... الأحکام النبویة فی الصناعة الطبیة ، لعلی بن عبدالکریم بن طرخان حوی الجمال (۷۲۰ھ)

۱۳...... ارسالة الذهبیة فی طب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، للامام علی بن موسی الرضا (۲۰۲ھ)

۱۴...... رسالة فی الطب النبوی ، لابن حزم الاندلسی علی بن أحمد (۴۵۶ھ)

۱۵...... السیر القوی فی الطب النبوی، لمحمد بن عبد الرحمن السخاوی (۹۰۲ھ)

۱۶...... شفاء الأنام فی طب أهل الإسلام ، لیوسف بن محمد الزَمَرّی العبادی الخلیلی (۷۷۶ھ)

۱۷...... الطب النبوی ، لعبد الملک بن حبیب (۲۳۸ھ)

۱۸...... الطب النبوی ۔ لأحمد بن محمد ابن السِنّی الدینوری (۳۶۴ھ)

۱۹...... الطب النبوی ۔ لأبی نعیم أحمد بن عبداللّٰه الأصبهانی (۴۳۰ھ) (کشف۱۰۹۵)

۲۰...... الطب النبوی ۔ لجعفر بن محمد المستغفری (۴۳۲ھ)

۲۱...... الطب النبوی ۔ لابن حزم، رسالة فی الطب

الطب النبوی ۔ لمحمد بن ابراهیم ابن ساعد الأنصاری المعروف بابن الأکفانی (۷۴۹ھ)

۲۲...... الطب النبوی ۔ للضیاء المقدسی، محمد بن عبدالواحد (۶۴۳ھ)

۲۳...... الطب النبوی ۔ للحافظ الذهبی، محمد بن أحمد (۷۴۸ھ)

۲۴...... الطب النبوی ۔ لمحمد الصفتی الزیتی

۲۵...... الطب النبوی ۔ لداود بن الفرج

۲۶...... طب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، لابی القاسم الحسن بن محمد

المحدث النیساپوری (۴۰۶ھ)

۲۷...... **الطب الوقائی فی الإسلام: تعالیم الإسلام الطبیة فی ضوء العلم الحدیث ، لأحمد شوقی الفنجری (۲۰)**

یہ وہ کتاب ہیں جو مستقلاً طب نبوی ﷺ پر لکھی گئی ہیں، عام طب پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں، طب اسلامی میں سے کچھ کا ذکر محمد ماہر حمادہ نے **المصادر العربیة** میں کیا ہے۔(۲۱) لہٰذا سیرت نگار کے لئے ضروری ہے وہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت پر جب قلم اٹھائے تو اس پہلو پر ضرور استفادہ کرے۔ یہ موضوع آج طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس کے حوالہ سے بھی مرتب کیا گیا ہے اس سے بھی استفادہ ہونا چاہئے تاکہ سیرت طیبہ ﷺ کے طبی پہلو کو بہترین و جدید انداز میں پیش کیا جا سکے۔

یہاں فتاویٰ و طب کو مستقل اصول کی شکل میں الگ الگ بھی پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اختصار کی خاطر ضم کر دیا گیا ہے۔

چھٹے اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ التوبہ/ ۱۲۸

۲۔ سورۃ بقرہ/ ۹۶

۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشدہ، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء ص/ ۳

۴۔ ابوالبرکات، عبدالروف دانا پوری اصح السیر ص/ ۱۲

۵۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/ ۱۶۴۔۱۶۵

۶۔ ایضاً ص/ ۱۶۷

۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد سیاسی وثیقہ جات ص/ ۴۔۵

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/ ۱۶۷

۱۱۔ کتانی، عبدالحئی ۔ التراتیب الاداریہ مترجم ص/ ۱۳۱۔۱۳۴

۱۲۔ المنجد، صلاح الدین، معجم ماالف عن رسول اللّٰہ ص/ ۲۸۴

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً ص/ ۲۸۵

۱۷۔ سزگین، ڈاکٹر فواد تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام ترجم ڈاکٹر خورشید رضوی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۹۴ء ص/ ۳۷

۱۸۔ ایضاً ص/ ۴۰۔۵۴

۱۹۔ حفنی، صلاح الدین اور محی الدین عطیہ دلیل مؤلفات الحدیث الشریف

المطبوعة القديمة والحديثه دار ابن حزم بيروت ۱۹۹۵ء ج/۲ص/۴۷۲
۴۷۳ـ

۲۱ـ حمادہ، محمد ماهر المصادر العربية والمعربة مؤسة الرساله بيروت
۱۹۸۰ء ص/۲۱۹ـ۲۲۴

تمت بالخیر

ساتواں اصول: علم دلائل النبوۃ والمعجزات ہیں

دلائل دلیل کی جمع ہے، دلائل النبوہ کا مطلب ہے، ایسے دلائل جو نبی کی نبوۃ کی صداقت واثبات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ یہی مفہوم معجزات کا ہے، یعنی ایسی دلیل جس کا جواب دینے سے مخالفین عاجز آ جائیں۔

سیرت کا دلائل و معجزات سے تعلق: سیرت کا دلائل سے بھی تعلق ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دلائل سیرت ہی کا حصہ ہے اور آدم علیہ السلام سے ہمارے پیغمبر تک تمام انبیاء کونبوت کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانہ کی مناسبت سے اس زمانہ کے علم وفن کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ کچھ انبیاء کو حسی معجزات عطا ہوئے اور کچھ کو علمی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فن طب عروج پر تھا طبیبوں کا دعویٰ تھا وہ مریض کو موت کے منہ سے واپس لا سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں واحی الموت باذن اللہ(۱) اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں، برص کے مریض کو شفایاب اور اندھے کو بینائی عطا کرنے (۲) کے معجزات عطا کئے گئے۔

فرعون کے زمانہ مس جادو کا فن عروج پر تھا۔ لہٰذا اسی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام کو عصاء اور ہاتھ کی چمک کا معجزہ عطا کیا گیا جو جادوگروں کے تمام کمالات کو ہضم کر گیا اور فرعون کی آنکھوں کو چکاچوند کر گیا۔ لیکن چونکہ تمام انبیاء کی نبوت مخصوص زمانہ تک کے لئے تھی، لہٰذا انہیں معجزہ بھی ایسا دیا گیا، جو ان کے عہد کے ساتھ ختم ہوگیا ہمارے نبی کی نبوت قیامت تک کرنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے، اس لئے آپ کو حسی معجزات کے ساتھ علمی معجزہ یعنی قرآن کریم دیا گیا، جو قیامت تک کرنے والے تمام انسانوں کے لئے ہدایت اسلام اور نبی کی نبوت کی صداقت کا علم بن کر لہراتا رہے گا۔ حسی معجزات کو بہت سے

اہل علم نے اپنی کتابوں کی زینت بنایا ہے۔

دلائل النبوت والمعجزات پر تصانیف کا جائزہ: اس موضوع پر تصانیف سے سیرت نگار استفادہ کر کے جہاں پیغمبر کی نبوت کو بہتر انداز میں پیش کر سکتا ہے، وہیں دیگر انبیاء کے پیروکاروں کو دین اسلام کی طرف راغب کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے خوگر رہے ہیں، سو اسلام اور ہمارے پیغمبر کی سیرت اسی حوالہ سے بھی اپنے ماننے والوں کو تشنہ نہیں چھوڑتی ہے۔

اس موضوع پر درج ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے، ان کتابوں کا ذکر ڈاکٹر فاروق حمادہ نے اپنی کتاب مصادر السیرہ (۳) اور ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ کے مصادر و مراجع (۴) میں کیا ہے۔

۱۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی (ت ۲۱۵ھ) آیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵)

۲۔ عبداللہ بن ہارون المعروف مامون عباسی (ت ۲۱۸ھ) اعلام النبوۃ (۶)

۳۔ ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم (ت ۲۶۴ھ) دلائل النبوۃ (۷)

۴۔ ابوسلیمان داؤد بن علی الاصفہانی (ت ۲۷۰ھ) دلائل النبوۃ (۸)

۵۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (ت ۲۷۵ھ) دلائل النبوۃ (۹)

۶۔ ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (ت ۲۷۶ھ) دلائل النبوۃ (۱۰)

۷۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد (ت ۲۸۱ھ) دلائل النبوۃ (۱۱)

۸۔ ابراہیم بن اسحاق الحربی (ت ۲۸۵ھ) دلائل النبوۃ (۱۲)

۹۔ ابوبکر جعفر بن محمد الفریابی (ت ۳۰۱ھ) دلائل النبوۃ (۱۳)

۱۰۔ ثابت بن حزم السرقسطی (ت ۳۱۳ھ) دلائل النبوۃ (۱۴)

۱۱۔ ابراہیم بن حماد بن اسحاق (ت ۳۲۰ھ) دلائل النبوۃ (۱۵)

۱۲۔ محمد بن احمد بن ابراہیم بن اسمال (ت ۳۴۹ھ) دلائل النبوۃ (۱۶)

۱۳۔ ابوالحسن القطان (ت ۳۵۹) الاحکام لسیاق آیات النبی ﷺ (۱۷)

۱۴۔ عبداللہ بن محمد الاصبہانی المعروف ابوالشیخ (ت ۳۶۹ھ) دلائل النبوۃ (۱۸)

۱۵۔ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق المعروف ابن مندہ (ت ۳۹۵ھ) دلائل النبوۃ (۱۹)

۱۶۔ ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن محمد بن فطیس القرطبی (ت ۴۰۲ھ) اعلام النبوۃ فی دلالات الرسالۃ (۲۰)
۱۷۔ ابوسعید الخرکوشی (ت ۴۰۷ھ) شرف المصطفی (۲۱)
۱۸۔ قاضی عبدالجبار بن احمد المعتز ملی (ت ۴۱۵ھ) تشبیت دلائل النبوۃ (۲۲)
۱۹۔ ابوالحسین احمد بن الحسین الزیدی (ت ۴۲۱ھ) اثبات نبوۃ النبی (۲۳)
۲۰۔ ابونعیم احمد بن عبداللہ لاصبحانی (ت ۴۳۰ھ) دلائل النبوۃ (۲۴)
۲۱۔ ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری (ت ۴۳۲ھ) دلائل النبوۃ (۲۵)
۲۲۔ ابوذر عبد بن احمد الہروی (ت ۴۳۴ھ) دلائل النبوۃ (۲۶)
۲۳۔ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی (ت ۴۵۰ھ) اعلام النبوۃ (۲۷)
۲۴۔ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (ت ۴۵۸ھ) دلائل النبوۃ (۲۸)
۲۵۔ ملقن (ت ۸۰۴ھ) نے غایۃ السول فی خصائص الرسول کے نام سے لکھا۔ (۲۹)
۲۶۔ کسی گمنام عالم نے بھی بیہقی کی کتاب کا اختصار بعنوان بغیۃ السائل بما حواہ کتاب الدلائل لکھا۔ (۳۰)
۲۸۔ اسماعیل بن محمد التیمی الاصبہانی (ت ۵۳۵ھ) دلائل النبوۃ (۳۱)
۲۹۔ حافظ ابن عساکر (ت ۵۷۱ھ) الاربعون حدیثا الدالۃ علی نبوۃ علیہ السلام (۳۲)
۳۰۔ عبداللہ بن عبدالواحد المعروف ضیاء المقدسی (ت ۶۴۳ھ) دلائل النبوۃ (۳۳)
۳۱۔ محمد بن حسن المعروف بالنقاس (ت ۸۵۱ھ) دلائل النبوۃ (۳۴)

کتابوں کی اس طویل فہرست میں چند اہم کتب ہیں جن کا تعارف کرانے کی روایت ہم نے ہر اصول میں جاری رکھی ہے۔

(الف) دلائل النبوۃ امام حافظ اَبونعیم احمد بن عبداللہ: محدث ابونعیمؒ سے ان کے بعض طلباء نے تقاضا کیا کہ آپ ہمیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وکمالات مختلف اوقات میں سناتے رہتے ہیں۔ اگر آپ انہیں ایک کتابی شکل میں یکجا تحریر فرمادیں۔

تو یہ ایک عظیم دینی خدمت ہوگی، کتاب کے مقدمہ میں آپ خود فرماتے ہیں۔

اَمَّا بَعْدُ : فَقَدْ سَئَلْتُمْ عَمَّرَ اللّٰہ بِالْبَصَآئِرِ الْجَمِیْلِهِ طَوِیَّا تِکُمْ وَنَوَّرَ فِی الْمَسِیْرِ الخ

امابعد: تم نے مجھ سے تقاضہ کیا، اللہ تمہاری طبائع کو دینی بصائر سے آباد کرے اور تمہارے قلوب و نیات کو اپنی رضا جوئی کے نور سے منور فرمائے، کہ میں شان نبوت دلائل و معجزات اور سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلائص کی بکھری ہوئی روایات و احادیث کو روشن تر ترتیب اور مفید تر اسلوب میں یکجا جمع کردوں، جس سے سعید روحیں فائدہ اٹھائیں اور منکرین رسوا ہوں۔ تو میں اللہ تعالیٰ سے اعانت اور توفیق تکمیل چاہتے ہوئے قلم اٹھا رہا ہوں، اسی کی سب طاقتیں ہیں اور وہی سب پر غالب ہے۔

امام ابو نعیم سیوطی یا ہندی کی طرح احادیث کے ناقل یا جامع نہیں کہ مختلف احادیث سے معجزات کے بیان پر مشتمل احادیث چن کر آپ نے کتاب بنالی ہو۔ بلکہ آپ ایک عظیم محدث ہیں آپ ایک حدیث کو پیش کرنے سے پہلے اس کی صحابی یا تابعی تک اپنی سند پہنچاتے ہیں کہ میں نے فلاں سے سنا اس نے فلاں سے سنا اور...... اور...... اور اس نے فلاں صحابی سے سنا کہ ہم نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے یا کر رہے تھے۔

آپ کا سلسلہ سند روایت چلتا چلتا راہ میں اکثر مقامات پر دیگر محدثین کے ساتھ مل جاتا ہے، بیش تر اسانید میں آپ امام بخاری کے اساتذہ سے جا ملتے ہیں۔ اس عاجز نے حاشیہ میں جابجا ضروری مقامات پر احادیث کی تخریج بھی کی ہے۔ جسے پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دلائل النبوۃ میں صحیح بخاری کی احادیث کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔

تاہم دلائل النبوۃ کی احادیث کا تقریباً ۱/۴ حصہ وہ بھی ہے جو صرف اسی کتاب میں پایا جاسکتا ہے۔ وہ احادیث کسی دوسرے محدث نے روایت نہیں کی ہیں۔ اس سے اس کتاب کی افادیت اور مصادر علم سیرت میں اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

فن سیرت نگاری کا یہ المیہ رہا ہے کہ سیرت نگاروں نے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے احوال و معجزات کو بہتر اور دل نشین انداز میں پیش کیا اور ان کی نیات سراپا خلوص تھیں۔ تاہم انہوں نے صرف احادیث کی عبارت ہی اور وہ بھی اپنے الفاظ میں لکھنے پر اکتفا کیا یا انہوں نے یہ کوشش نہ کی کہ احادیث کی اسناد بھی پیش کریں، جو کہ محدثین کا طریقہ کار تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت نبوی ﷺ ایسے واقعات کا مجموعہ بن گئی جس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ واقعات ہم تک کیسے پہنچے ہیں، کس نے روایت کئے ہیں۔ آیا وہ معتبر راوی تھے یا ناقابل اعتبار۔ اور یوں ضعیف غیر معتبر بلکہ موضوع واقعات بھی آئے جو سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف وشفاف پانی کو داغدار کرنے لگے۔

محدث ابونعیم اور ان کے ہم طرز چند دیگر محدثین کا امت پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ معجزات و دلائل نبوت پر ناقلانہ نہیں محدثانہ قلم اٹھایا ہے اور احادیث کو مع اسناد پیش کیا ہے تاکہ جہاں امت کو معجزات رسول ﷺ یکجا لکھے ہوئے مل جائیں وہاں یہ بھی معلوم ہو سکے کہ ان کا راوی کون ہے آیا وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

دلائل النبوۃ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ محدث ابونعیم کسی موضوع پر مثلاً جانوروں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بجالانا اور آپ کا جانوروں کی گفتگو کو سمجھ لینا وغیرہ، پر اولاً متعدد احادیث پیش کرتے ہیں، ثانیاً ثابت کرتے ہیں کہ ان احادیث سے آپ ﷺ کی شان اعجاز کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ مرکیوں کر معجزہ ہے اس طرز تحریر کا نمایاں فائدہ یہ ہے کہ قاری کے ذہن پر احادیث کا اپنے موضوع پر انطباق واضح ہو جاتا ہے کہ ہاں واقعی ان احادیث سے ایسا امر ثابت ہو رہا ہے جو بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ یہ طرز تحریر دیگر محدثین کے ہاں نادر الوقع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں مضمون حدیث کا قرآن کریم سے بظاہر تعارض نظر آ رہا ہو یا کوئی دوسرا شبہ وارد ہو رہا ہو تو وہاں آپ علمی رنگ میں اس کا ازالہ بھی کرتے ہیں تاکہ قاری کا ذہن شبہات سے پاک رہے۔ تاہم بعض مقامات ایسے تھے جہاں شبہات وارد ہوتے تھے مگر بوجوہ انہیں زیر بحث نہ لایا گیا تھا وہاں اس عاجز مترجم نے حاشیہ میں ان کا ازالہ کر دیا ہے۔

کتاب میں مضامین کی ترتیب کے لئے دو اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔

مضامین کے اعتبار سے، مثلاً آپ ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ ''وہ

واقعات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے کھانے سے ایک بڑی جماعت کو سیر شکم کروادیا۔" یا "تھوڑے سے پانی سے ایک لشکر کو سیراب کردیا۔" اسی طرح آپ عنوان قائم کرتے جاتے ہیں اور اس عنوان کے متعلقہ احادیث وارد کرتے جاتے ہیں۔ ایسے کثیر التعداد عنوان سے کتاب بھری پڑی ہے۔ اس اسلوب کا یہ فائدہ ہے کہ قاری کو وہ تمام معجزات یکجا اکٹھے مل جاتے ہیں، جو ایک موضوع سے متعلق ہوں، یہ اسلوب خصوصاً مبلغین اور علماء کے لئے پرکشش ہے۔

۲۔ مواقع وموارد کے اعتبار سے۔ مثلاً آپ عنوان قائم کرتے ہیں۔ "وہ معجزات جو سفر ہجرت میں ظاہر ہوئے۔" یا "وہ معجزات جو واقعہ بدر میں ظہور پذیر ہوئے۔" ایسے عنوانات کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ اس اسلوب کا اہم فائدہ یہ ہے کہ جب کسی معجزہ کو ان واقعات واحوال کے تناظر میں دیکھا جائے جن میں وہ وقوع پذیر ہوا تھا تو اس کے مضمرات قاری پر کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور اس کی اہمیت قاری کے ذہن میں کہیں بڑھ جاتی ہے۔

اور حیران کن امر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اسالیب کو ایک ساتھ نبھانے کے باوجود کتاب میں احادیث اور واقعات کا تکرار پیدا نہیں ہوا ہر واقعہ اپنی جگہ منفرد ہے اس سے آپ کے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

پیش نظر دلائل النبوۃ اصل کتاب کا خلاصہ ہے: کتاب کا سرورق دیکھ کر تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکمل دلائل النبوۃ نامی کتاب ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج وہ مکمل دلائل النبوۃ جو محدث ابونعیمؒ نے تین حصوں میں لکھی تھی کہیں موجود نہیں، موجودہ نسخہ اصل کتاب کا منتخب خلاصہ ہے جس میں اصل کتاب کے ہر باب کی چیدہ احادیث لے کر باقی کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اسے دلائل النبوۃ نہیں "منتخب دلائل النبوۃ" کہنا چاہئے یہ اصل کے مقابلہ میں ۱/۳ ہے۔ البتہ حلب سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہونے والے نسخہ کے دیباچہ میں بتلایا گیا ہے کہ قاہرہ (مصر) کے دارالکتب المصریہ میں اصل دلائل النبوۃ کا پہلا حصہ موجود ہے جو فصل نمبر ۱۳ تک ہے۔ اس قلمی نسخے کا سن کتابت ۷۳۱ھ جبکہ دوسرے دونوں حصے وہاں بھی موجود نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر علماء مثلاً امام سیوطی خصائص کبریٰ میں اور علامہ قسطلانی فتح الباری میں دلائل النبوۃ لابی نعیم کے حوالے سے متعدد احادیث پیش کرتے ہیں مگر وہ موجودہ دلائل النبوۃ میں غیر موجود ہیں۔

یہ خلاصہ کس نے تیار کیا؟ اس بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں بعض کا خیال ہے کہ خود ابونعیمؒ نے پہلے مفصل دلائل النبوۃ لکھی تھی اور ایک ایک حدیث کو متعدد طرق سے لکھا مگر بعدازاں سہولت کے لئے اسے مختصر کر دیا اور حدیث کے متعدد طرق میں سے زیادہ واضح اور صحیح تر طریق کو لے کر باقی کو حذف کر دیا۔ جیسا کہ دیگر کئی مصنفین نے بھی اپنی کتابوں کو مختصر کیا ہے جیسے علامہ تفتازانی نے علم بیان و معانی پر اپنی کتاب المطول کو مختصر کر کے مختصر المعانی کے نام سے لکھا اور علامہ ابن حزم نے الایصال کو المحلی نام سے مختصر کر دیا مگر وجدان سلیم کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ جن مصنفین نے اپنی کتب کا خلاصہ خود لکھا تھا ان کی اصل کتاب اور خلاصہ دونوں معروف ہوئے ہیں۔ مگر یہاں اصل دلائل النبوۃ کا وجود ہی مفقود ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی اور شخص نے کتاب کو آسان کرنے کی غرض سے اس میں منتخب احادیث کو لے کر باقی کو اڑا دیا ہے تاکہ تکرار طرق سے قاری کبیدہ خاطر نہ ہو اور کتاب کی افادیت بڑھ جائے۔ اگرچہ اس شخص کا نام معلوم نہیں ہو سکا تاہم یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خلاصہ ۶۰۳ھ سے پہلے یعنی محدث ابونعیم کی وفات سے ۱۷۳ سال بعد یا اس سے کم و بیش عرصہ میں وجود پذیر ہو گیا تھا۔ کیونکہ پٹنہ (ہندوستان) میں خان بہادر خدا بخش کی لائبریری میں جو قلمی نسخہ موجود ہے جس کا لائبریری نمبر ۲۲۴۶ ہے اس پر سن کتابت ۶۰۳ھ لکھا ہوا ہے۔ اس میں اور آج کی موجودہ دلائل النبوۃ کتاب میں کچھ فرق نہیں۔ (۳۵)

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب

(ب)...... الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوری جلال الدین سیوطی کی ہے:

اس جامع ترین کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سے زائد معجزات جمع کئے گئے ہیں۔ امام سیوطی نے ہر معجزے کی صراحت کے لئے احادیث نبوی کے عظیم الشان ذخیرے کو کھنگالا ہے اور آپ کو جتنی بھی احادیث اس سلسلے میں

دستیاب ہوئی ہیں، ان سب کو بلاتبصرہ راویوں کے حوالے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تالیف میں امام سیوطی نے اپنی عمر عزیز کے بیس سال صرف کئے۔ یہ درست ہے کہ "الخصائص الکبریٰ" میں ضعیف احادیث بھی شامل ہوگئی ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہاں واقعات کی ترتیب میں تسلسل نہیں ہے، لیکن اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ خصائص نبوت پر اس سے بہتر کوئی کتاب موجود نہیں۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے صدہا کتب کی ورق گردانی کے بعد اس نعتیہ کلام کا انتخاب کیا ہے جس کا بیشتر حصہ شعرائے قبل اسلام کا ہے، جن میں ہاشمی اور غیر ہاشمی سبھی شامل ہیں۔(۳۶)

(ج)...... جلال الدین سیوطی کا اسی موضوع پر ایک رسالہ "الخصائص الصغریٰ" بھی مجلہ "تحقیق" لاہور میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے ۱۲ صفحات کے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ "الخصائص الصغریٰ" کا متن ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ دو ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کی چار چار فصلیں ہیں، اس رسالہ میں بھی معجزات اور خصائص نبویہ، احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ سے درج ہیں۔(۳۷)

(د)...... دلائل النبوۃ للفریابی (ت ۳۰۱ھ)

اس کے متعلق اس کے محقق عامر حسن صبری مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ اس کے مولف نے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی معجزات لکھے ہیں۔ اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور اللہ عزوجل کے ہاں آپ کی منزلت بیان کی ہے۔ مولف نے اپنی کتاب میں محدثین کے طریقہ کے مطابق روایات کو سندوں سے بیان کیا ہے۔(۳۸)

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ سے متعلق ایک روایت کو الگ الگ چار سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے کھانے پر دعا کی تو بہت زیادہ ہوگیا۔(۳۹) پھر غزوہ خندق میں "حضرت جابرؓ کے گھر تھوڑا سا کھانا ایک ہزار آدمی نے کھایا" کا ذکر ہے۔(۴۰) اسی طرح دیگر معجزات کا ذکر ہے۔(۴۱)

(و)...... دلائل النبوۃ بیہقی (ت ۴۵۸ھ)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوۃ کی پوری تفصیل ہے۔ اس کی

پہلی جلد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مکمل تفصیل ہے۔ چند عنوانات درج ذیل ہیں۔ ولادت نبوی ﷺ، رضاعت، اسماء الرسول، صفات النبی ﷺ اس میں ۱۵۔۲۰ باب ہیں۔(۴۲) پوری کتاب میں آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ابتداء سے انتہا تک ذکر ہے۔ اور ساتھ ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلوؤں کا ذکر بھی مذکور ہے۔ چند عنوانات یہ ہیں۔ ولادت کے بعد بعض علامات، شق صدر، بناء کعبہ۔ نبوت کے وقت عمر مبارک، ابتداء وحی، اسلام حضرت ابوذر، حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ضمادؓ، ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب، وفات ابی طالب و حضرت خدیجہؓ، اسراء و معراج، فرضیت نماز، تزویج حضرت عائشہؓ و حضرت سودہؓ بنت زمعہ، عقبہ اولیٰ، عقبہ ثانیہ، ہجرت مدینہ، مسجد مدینہ کی تاسیس، تحویل کعبہ، فرضیت جہاد۔(۴۳)

مندرجہ بالا عنوانات سے ظاہر ہے کہ کس طرح اس کتاب میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح باقی سات جلدوں میں تفصیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوۃ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تفصیل سے بیان ہے۔ اسی لئے یہ کتب بھی بطور ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ لیکن ان کتابوں کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت کی مزید تفصیل کے لئے ہمیں کتب شمائل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

آخر میں عرض کروں گا، کتب دلائل نبوۃ دراصل اثبات نبوت اور دفاع منصب نبوت و ایقان نبوۃ کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں، جس کے ذریعہ سیرت النبی نئے زاویہ سے چیلنج کے انداز میں سامنے آتی ہے۔ لیکن اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں صحت روایت کا التزام کم رکھا گیا ہے۔ لہٰذا سیرت نگار کو اس پر خصوصی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے۔

ساتویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ آل عمران/۴۹
۲۔ ایضاً
۳۔ حمادہ، ڈاکٹر فاروق، مصادر السیرۃ النبویۃ وتقویمها دار الثقافة المغرب ۱۹۸۰ء ص/۴۴
۴۔ ظفر، ڈاکٹر عبدالرؤف سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مراجع اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور ۱۹۹۴ء ص/۲۲۔۲۳
۵۔ ابن ندیم، کتاب الفہرست، نور محمد کتب خانہ تجارت اردو بازار کراچی ص/۱۱۳
۶۔ ایضاً ص/۱۲۹
۷۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول، ص/۶۳
۸۔ الفہرست ص/۲۷۱،۲۷۰
۹۔ کشف الظنون ج/۱، ص/۷۶۰ الرسالۃ المستطرفۃ، ص/۱۰۵
۱۰۔ الفہرست ص/۶
۱۱۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول، ص/۶۴، مقدمہ دلائل النبوۃ بیہقی، ج/۱ ص/۹۰ (تحقیق احمد صقر)
۱۲۔ کشف الظنون ج/۱ ص/۷۶۰
۱۳۔ مطبوع من دار حراء، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۰ء، الطبعتہ الاولی، تحقیق عامر حسن جری
۱۴۔ کشف الظنون ج/۲ ص/۱۳۱۸
۱۵۔ الفہرست ص/۲۵۲
۱۶۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ج/۱ص/۹ (تحقیق احمد صقر)
۱۷۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/۹
۱۸۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول ص/۶۴

۱۹۔ ایضاً
۲۰۔ ایضاً ص ۶۳، الرسالۃ المستطرفہ ص/۱۰۵
۲۱۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/۹
۲۲۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول ص/۶۳
۲۳۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/۹
۲۴۔ مطبوع، دارالمعرفہ، بیروت
۲۵۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/۹
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً
۲۸۔ اس کتاب کے بے شمار نسخے مختلف لائبریریوں میں ہیں۔ ۹ جلدیں ڈاکٹر قلعجی کی تحقیق سے بھی مطبوعہ ہیں۔
۲۹۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر) ص/۱۰، کشف الظنون ج/۱ص/۷۶۰
۳۰۔ دلائل النبوۃ (احمد صقر)
۳۱۔ معجم ما الف فی سیرۃ الرسول ص/۶۵
۳۲۔ ایضاً ص ۶۲
۳۳۔ مقدمہ العارفین (۲) ج/۶ ص/۱۲۳
۳۴۔ کشف الظنون ج/۱ص/۷۶۰
۳۵۔ ابونعیم، حافظ ابُونعیم احمد بن عبداللہ دلائل النبوۃ مترجم محمد طیب ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۶ء ص/۲۸۔۳۱
۳۶۔ سیوطی، جلال الدین الخصائص الکبریٰ مترجم غلام معین الدین نعیمی ج/۱ مقدمہ
۳۷۔ سیوطی، جلال الدین، الخصائص الصغریٰ مجلّہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور ج/۲، ش/۳ ص/۶۳
۳۸۔ فریابی، مقدمہ دلائل النبوۃ ص/۵
۳۹۔ ایضاً ج/۲۹ ص/۳۵

۴۰۔ ایضاً ج/۴۹ص/۵۱

۴۱۔ ایضاً ج/۵۲ص/۸۸

۴۲۔ بیہقی، دلائل النبوۃ ج/۱ص/۱۱۵۔۳۸۴

۴۳۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، ج/۲ص/۳۔۵۷۶

تمت بالخیر

آٹھواں اصول: علم قصص الانبیاء والمرسلین

مولانا ابوالحسن علی زندویؒ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید نے انسانی دل و دماغ میں توحید و رسالت کے مضامین کو اتارنے کے لئے جو وسائل و ذرائع اختیار کئے ہیں ان میں قصص و حکایات کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، دینی حلقوں میں قصے کہانیوں سے متعلق جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور جس طرح تحقیر کی نگاہ سے اس فن کو دیکھا جاتا ہے اس میں واعظوں اور مصلحوں کے طرز عمل کا بڑا دخل ہے کہ وہ اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم نہیں کرتے، مولانا نے فرمایا: قصہ کہانیوں کے متعلق صدیوں سے ایک حقارت آمیز اور ایک احساس کمتری کا خیال چلا آ رہا ہے۔ ہمارے واعظوں نے قصوں اور حکایات کی کچھ ایسی تحقیر کی ہے یا کم از کم انہوں نے اس کی آفادیت اور معنویت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ اس کو ایک تفریحی جز سمجھے، کسی ثقہ و سنجیدہ مجلس میں جہاں لوگ اپنی اصلاح کے لئے بیٹھے ہوں، اگر کوئی قصہ کہنے لگے تو لوگ اس کو ایک بے محل بات سمجھیں گے کہ یہاں تو خدا و رسول کی باتیں ہونی چاہئیں، موعظت اور اعتقادات و ایمانیات کی باتیں ہونی چاہئیں۔ یہ قصہ کہانی کہاں سے شروع کر دیا۔ لیکن قرآن کریم نے قصہ کو بہت اہمیت دی ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے واقعات اور قصے کتنے مقامات پر قرآن کریم نے ذکر کئے ہیں، ایک پوری سورۂ حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق ہے۔ یہ پوری سورۃ ان کے قصہ پر مبنی ہے، لیکن وہ اعلیٰ درجہ کی دانشمندانہ باتوں اور مواعظ پر مشتمل ہے، ایسے واقعات پر مبنی ہے کہ ان کے بغیر بہت سے حقائق سمجھ میں نہیں آ سکتے، خود قرآن کریم کہتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (۱)

ان قصوں میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں، بلکہ پچھلے واقعات کی تصدیق ہیں۔

اس سے بڑھ کر قصہ کی منقبت یا قصہ کی توثیق کی ہی نہیں جاسکتی کہ کہ خود اللہ تعالیٰ اس قصہ کو احسن القصص فرما رہا ہے۔(۲)

سورۃ الممتحنہ میں دو مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کو بھی امت مسلمہ کے لئے اُسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔(۳) ان قصص کی افادیت بیان کرتے ہوئے، خود قرآن کریم نے کہا ان سچے واقعات سے استفادہ کرو تاکہ زندگی کی عملی مشکلات میں یہ اُسوہ ثابت قدمی کا ذریعہ بنے۔(۴) قرآن کریم نے اسی وجہ سے انبیاء و مرسلین کے قصوں کو احسن القصص (۵) کہا ہے اور ہر نبی کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ پچھلوں کے قصے لوگوں کو سنائے۔(۶) فرماں برداروں کو جنت اور اچھے انجام کی بروں کو جہنم اور برے انجام کی نشاندہی کرے **لعلھم یتفکرون** (۷) تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

سیرت کا قصص الانبیاء سے تعلق: قرآن کی واضح تعلیم ہے کہ انبیاء وامم سابقین سے استفادہ کرو عبرت ونصیحت کے نقطۂ نظر سے ہمارے پیغمبر پر جو حالات گزرے وہ پچھلوں پر بھی گزرے تھے۔ آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر کئی عمل میں اپنے کو پچھلے انبیاء کا مشابہ قرار دیا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان قصص سے استفادہ کرنا چاہئے۔ قصص کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قصص القرآن

۲۔ قصص الحدیث

قرآن کریم نے جن قصوں کو بیان کیا ہے وہ بھی سیرت نگاری کی اصل ہیں اور حدیث میں جن قصوں کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی سیرت نگاری کی اُصل وماٰخذ ہیں۔

قصص الانبیاء پر تصانیف: قصص القرآن پر بہت سی کتابیں عربی اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ آثار القرآن، شبیر احمد خاور، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۶۸ء، ۱۳۵/ص

۲۔ آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا، اخلاق حسین، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۲ء

۳۔ آدم، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص

۴۔ آدم، عبدالحق، المکتبۃ العلمیہ، لاہور ۱۹۶۵ء، ۴۲/ص

۵۔ ابراہیم خلیل اللہ، ابوالکلام آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، (بدون تاریخ) ۳۶۰/ص

۶۔ ابراہیم خلیل اللہ، کلیم نشتر، مکتبہ عالیہ، لاہور (بدون تاریخ) ۱۱۰/ص

۷۔ ابن مریم، رحیم بخش، فرید کوٹ روڈ لاہور ۱۹۳۸ء، ۱۶۸/ص

۸۔ ابن مریم اور پرویز، عبدالرحمٰن طاہر سورتی، مکتبہ علمیہ، لاہور (بدون تاریخ) ۸۰/ص

۹۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام، عباس محمود العقاد، (مترجم: راغب رحمانی) نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء، ۳۱۶/ص

۱۰۔ احسن القصص، محمد نورالدین، عباسی کتب خانہ، کراچی ۱۹۲۲ء ۴۰/ص

۱۱۔ احوال الانبیاء، راجہ رام بکڈ پو لکھنو ۱۹۰۴ء دو جلدیں

۱۲۔ احوال الانبیاء، عبدالسلام عرشی، مطبع رحمانی، حیدرآباد دکن، (بدون تاریخ) ۵۲/ص

۱۳۔ احوال الانبیاء، فی تفسیر الاذکیا، ابوالحسن، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۴ء، دو جلدیں

۱۴۔ اسماعیل، عبدالصمد صارم، ایم ثناءاللہ خاں اینڈ سنز لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص

۱۵۔ اصحاب کہف، محی الدین احمد ابوالکلام آزاد، ادبستان، لاہور، ۱۹۴۹ء ۱۴۱/ص

۱۶۔ اصحاب کہف، محمد اسحاق، دارالاشاعت، کراچی (بدون تاریخ) ۶۳/ص

۱۷۔ اعلام القرآن یا قرآنی شخصیتیں، عبدالماجد دریابادی، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء ۲۰۸/ص

۱۸۔ انبیائے قرآن، آغا اشرف، مکتبۃ القریش، اردو بازار، لاہور ۱۹۸۸ء ۸۹/ص

۱۹۔ انبیائے قرآن، محمد جمیل احمد، غلام علی، لاہور ۱۹۵۴ء (چار جلدیں)

۲۰۔ انبیائے کرام، مقبول انور داؤدی، فیروز سنز، لاہور ۱۹۷۵ء ۱۳۱/ص

۲۱۔ انبیائے کرام، ابوالکلام آزاد (مرتبہ غلام رسول مہر) شیخ غلام علی، لاہور ۱۹۷۱ء

۲۲۔ انوارالانبیاء، تالیف ادارہ تصنیف و تالیف، غلام علی اینڈ، لاہور ۱۹۵۹ء

۲۳۔ ایوب، عبدالصمد صارم، ایم ثناءاللہ خان، لاہور (بدون تاریخ) ۳۲/ص

۲۴۔ باغ والے، محمد عبدالحئی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۷۴ء ۳۲/ص

۲۵۔ بصائر الانبیاء (قصص الانبیاء) محمد مہدی بھوپالی، انسٹیٹیوٹ پریس، علی گڑھ ۱۲۰/ص

۲۶۔ بہارِ خلیل نجم الدین ۱۲۲۷ھ، ۱۸۲/ص
۲۷۔ بینات (سیرت انبیاء کرام) عرفان رضوی، رہبر پبلشرز کراچی، ۱۹۹۲ء، دو جلدیں
۲۸۔ تاریخ ابوالبشر، انوارالحق، دارالاقبال، لاہور، ۱۹۱۰ء، ۲۰۲/ص
۲۹۔ تاریخ الانبیاء، انتظام اللہ شہابی، محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل، کراچی ۱۳۷۵ھ
۳۰۔ تاریخ مسیح، خواجہ حسن نظامی، کارکن بکڈپو، حلقہ نظام المشائخ، دہلی ۱۹۲۷ء
۳۱۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء، شاہ ولی اللہ دہلوی، اکادمی شاہ ولی اللہ حیدر آباد ۱۹۶۶ء، ۱۲۳/ص
۳۲۔ تذکرہ انبیاء و تذکار اصحاب محمد، محمد ادریس، بار اول، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۹۱ء
۳۳۔ تذکرہ انبیاء، ناصر علی خاں، مفید عام، اگرہ ۱۹۲۰ء، ۲۴۰/ص
۳۴۔ تذکرۂ انبیاء، قاری شریف احمد، بار اول، مکتبہ رشیدیہ کراچی ۱۹۸۶ء ج ۲/
۳۵۔ تذکرۂ انبیاء، شاہ محمد علی، حجاز پریس لاہور، ۱۹۴۲ء، ۲۰۰/ص
۳۶۔ تذکرۂ انبیاء، نذیر احمد سیماب، لاہور، (بدون تاریخ)
۳۷۔ تذکرۃ النبیین، عبدالعزیز پتراروی، پرنٹنگ محل ناظم آباد، کراچی ۱۹۸۷ء، ۲۸۷/ص
۳۸۔ تذکرۂ یونس، عبداللطیف، رحمانیہ پریس، مونگیر، ۱۳۳۴ھ، ۴۴/ص
۳۹۔ الترتیب الانیف فی قصہ الکلیم والرقیم، اشرف العلوم، دیوبند ۱۳۶۷ھ
۴۰۔ تفراتح الاذکیا، فی احوال الانبیاء ابوالحسن فرید آبادی، نول کشور، لکھنو، ۱۹۳۱ء
۴۱۔ تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء، ابوالحسن کاکوروی، نفیس اکیڈمی، کراچی (بدون تاریخ)
۴۲۔ تواریخ الانبیاء، سرفراز خان، مطبع رضوی، دہلی ۱۲۸۱ھ
۴۳۔ تواریخ قصہ خلاصۃ الانبیاء، غلام نبی، محمد چھاپا خانہ، بمبئی، ۱۲۶۳ھ، ۲۲۸/ص
۴۴۔ پیغمبروں کی کہانیاں، خواجہ حسن نظامی، نظام المشائخ، دہلی
۴۵۔ چار پیامبر، سلطان احمد خاں، چودھری برادرز، لاہور (بدون تاریخ)
۴۶۔ حالات انبیاء، وحید الدین، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۰ء، ۷۲/ص
۴۷۔ حضرت ابراہیم و حضرت ہاجرہ، عباس محمود العقاد، اقبال بک ڈپو، کراچی
۴۸۔ حضرت ابراہیم و حضرت ہاجرہ، عنایت اللہ رسول، چریا کوٹی، مرکنٹائل بک ڈپو

۱۹۲۵ء،۱۶۵/ص

۴۹۔ حضرت داؤدؑ،عبدالصمد صارم،ایم ثناء اللہ خاں،لاہور(بدون تاریخ)۳۲/ص

۵۰۔ حضرت سلیمانؑ،چراغ علی اعظم یار جنگ،نولکشور پریس،لکھنؤ۱۹۲۰ء،۳۲/ص

۵۱۔ حضرت عیسیٰ،محمد عبدالحیٔ سلیم،مدینہ بک ایجنسی،بجنور

۵۲۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ(مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف)کتاب منزل،لاہور،

۵۳۔ حضرت مسیحؑ،تاجور نجیب آبادی،(بدون تاریخ)۱۴/ص

۵۴۔ حضرت موسیٰ،محمد عبدالحیٔ سلیم،مکتبہ الحسنات،رامپور۱۹۰۹ء،۱۶۸/ص

۵۵۔ حضرت یوسف،ابوالکلام آزاد،ادبستان،لاہور،۱۹۵۳ء،۱۴۲/ص

۵۶۔ حضرت یوسف،سید جلیل قریشی،خلا پریس،پانی پت،تجارتی پریس کانپور۳۶/ص

۵۷۔ حضرت یوسف،ابوالکلام آزاد،عباسی کتب خانہ،کراچی۱۹۵۳ء،۱۴۳/ص

۵۸۔ حضرت یوسف قرآن کریم کے آئینہ میں،سید احمد عروج قادری،مرکزی مکتبہ اسلامی

۵۹۔ حکایات القرآن،سید محمد صفی،جامعہ تعلیمات اسلامی،کراچی(بدون تاریخ)۵۲۸/ص

۶۰۔ حکایات لقمان،شریف حسین،پنجاب بکڈپو،لاہور۸۰/ص

۶۱۔ حیاۃ الانبیاء،والاولیاء،محمد صالح سیالکوٹی،کریمی پریس،لاہور۱۳۴۳ھ،۶۴/ص

۶۲۔ حیاۃ الانبیاء،حفیظ اللہ(مجلہ طیلسانئین)حیدرآباد دکن،اکتوبر۱۹۴۳ء،۵۷/ص

۶۳۔ حیاۃ خضرؑ،اصغر حسن،طبع چہارم،داراللہ رئیس الاشاعت،سہارنپور ۱۳۵۵ھ،۴۴/ص

۶۴۔ خلاصۃ الانبیاء(ترجمہ قصص الانبیاء)مترجم:غلام نبی،بمبئی۱۲۶۳ھ،۵۴۰/ص

۶۵۔ داستان یوسف،محمد اسحاق شاہ،صدیقیہ بکڈپو،بہاولپور،۳۶۴/ص

۶۶۔ دس پیغمبر،سید بشیر احمد سعدی،بار اوّل،مکتبہ جدید،لاہور،۱۹۶۳ء،۲۶۲/ص

۶۷۔ ذوالقرنین کا اصولی تصور،غلام اعظم،استقلال پریس،لاہور۱۹۶۲ء،۲۲۸/ص

۶۸۔ روضۃ الاصفیاء فی ذکر الانبیاء معروف بقصص الانبیاء،محمد طاہر،نول کشور،لکھنؤ ۱۹۳۹ء

۶۹۔ رونق الکلام فی احوال الخضر، عبدالماجد، رشدی، مطبع عثمانیہ، حیدر آباد
۷۰۔ انبیائے کرام قرآن کریم کی روشنی میں) عقیدت اللہ قاسمی، کلاسک
۷۱۔ سوانح حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم۔ کریم عظیم، کراچی ۱۴۰۳ھ، ۹۶/ص
۷۲۔ سوانح عمری حضرت ابراہیمؑ، سید عبدالجلیل قریشی، بختی پریس، کلکتہ، ۱۹۰۵ء، ۴۳/ص
۷۳۔ سیرت ابراہیمؑ، محمد جمیل، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء، ۳۴۰/ص
۷۴۔ سیرت الانبیاء، ابن کثیر (مترجم ہدایت اللہ ندوی) مکتبہ جامع اشاعت، ۸۰۵/ص
۷۵۔ سیرت انبیائے کرام، محمد عبدالرحمٰن، باراول، ادارہ اسلامیات، لاہور
۷۶۔ صالحؑ، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور، ۳۲/ص
۷۷۔ صبر ایوب، ذکی، سلطان اینڈ سنز، تاجر کتب خانہ، کراچی ۱۹۴۵ء، ۲۲/ص
۷۸۔ صبر ایوبؑ، گوہر علی رامپوری، ۲۴۸/ص
۷۹۔ عبرتیں اور بصیرتیں (مع حالات حضرت آدمؑ تا حضرت صالحؑ) مولانا حفظ الرحمان (مرتبہ سید تنظیم حسین) انجمن اشاعت القرآن العظیم، ۱۹۸۸ء، (چھ جلدیں)
۸۰۔ عجائب القصص (بدون مصنف) مترجم فخرالدین، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۲۶۵ھ ۱۹۲/ص
۸۱۔ عجائب القصص (حصہ دوم) حکیم محمد احسن اللہ خاں، نول کشور، لکھنو ۱۹۲۲ء، ۱۳۴/ص
۸۲۔ عزیز عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور، ۴۸/ص
۸۳۔ عیسیٰ، عبدالصمد صارم، ایم ثناء اللہ خاں، لاہور ۴۸/ص
۸۴۔ قرآن کی کہانیاں، خواجہ حسن نظامی، نظام المشائخ، دہلی
۸۵۔ قرآنی قصے، علامہ راشد الخیری، عصمت بکڈپو، دہلی
۸۶۔ قصص الانبیاء، قدرتی دکھنی، رسالہ العلم، کراچی، اکتوبر، دسمبر ۱۹۵۳ء، ۵۰۰/ص
۸۷۔ قصص الانبیاء (ترجمہ بزبان دکھنی) ولی محمد میراں، ۱۲۲۶ھ
۸۸۔ قصص الانبیاء، شاہ محمد عبداللہ، قومی پریس کانپور (بدون تاریخ) ۳۸۸/ص
۸۹۔ قصص الانبیاء، محمد طیب کمال پبلشنگ ہاؤس (بدون تاریخ) ۲۵۶/ص
۹۰۔ قصص الانبیاء، شکیل ممتاز شکیل ممتاز پبلشرز لاہور (بدون تاریخ) ۴۳/ص

۹۱۔ قصص الانبیاء
۹۲۔ قصص الانبیاء
۹۳۔ قصص الانبیاء
۹۴۔ قصص الانبیاء
۹۵۔ قصص الانبیاء
۹۶۔ قصص القرآن، علیم الدین، مرغوب بک ایجنسی، لاہور، ۱۹۲۵ء، ۱۳۰/ص
۹۷۔ قصص القرآن، محمد احمد جار اللہ مصری (مترجم مولانا محمد ذکریا مائل) ۱۹۵۵ء، ۵۰۰/ص
۹۸۔ قصص القرآن، سید صدرالدین بلاغی، (مترجم عبدالصمد صادم) معین الادب، لاہور، ۳۴۸/ص
۹۹۔ قصص القرآن، محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۸۸۔۱۹۸۷ء
۱۰۰۔ قصص القرآن، سید ظفر حسن، شمیم بکڈپو، کراچی ۴۶۴/ص
۱۰۱۔ قصص القرآن، قیصری کانپوری، چلڈرن قرآن سوسائٹی، لاہور ۱۹۶۰ء
۱۰۲۔ قصص القرآن، تاریخی حیثیت سے، سید حسین، مجلّہ طیلسانین، عثمانیہ حیدرآباد دکن، اکتوبر ۱۹۳۴ئص ۸۰/ص
۱۰۳۔ قصص القرآن، ابوبکر عتیق، چاپخانہ گونہ، تہران، ۱۳۶۵ھ، ۵۳۴/ص
۱۰۴۔ قصص القرآن مجید، (حصہ اول) عبدالملک، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی ۱۶/ص
۱۰۵۔ قصص القرآن مجید، (حصہ دوم) عبدالملک، مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی ۱۶/ص
۱۰۶ قصص النبیین، سید ابوالحسن ندوی، مکتبہ تعلیماتِ اسلام، لکھنؤ ۱۹۴۶ء
۱۰۷۔ قصص ومسائل، عبدالماجد دریابادی، ادارہ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن، ۱۳۲/ص
۱۰۸۔ قصہ بی بی مریم، علی بخش مدراسی، نظامی پریس، مدراس، ۱۹۹۰ء، ۸۱/ص
۱۰۹۔ مدفن مسیح، شبیر احمد عثمانی، دار التبلیغ، دیوبند،
۱۱۰۔ محفل انبیاء، محمد جمیل، فیروز سنز، لاہور، ۲۷۵/ص

جو قصے یا حکایات حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں، ان کی صداقت وصحت میں شک وشبہ کی گنجائش

نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ان قصص کی بڑی اہمیت ہے اس لئے شراح نے ان کی تشریح وبیان کی طرف خصوصی توجہ کی ہے۔ ان سے بہت سے فوائد مستنبط کئے ہیں ان کے ادبی و دعوتی پہلو پر بھی ان کی نظر ہے اور اس جانب شراح حدیث میں علامہ عینیؒ نے خاص توجہ دی ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے علماء نے ان قصص کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن سے بہت سے دروس وعبر مستنبط کئے ہیں اور ان کے ادبی و دعوتی پہلو پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس موضوع پر علماء معاصرین کی بعض کتابوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

۱۔ **سیدنا محمد فی اهذاعه الادبی** از دکتور محمد احمد بیہومی یہ ان کی پی۔ایچ۔ڈی کے رسالہ کا موضوع ہے جس پر انہوں نے جامع ازہر سے یہ ڈگری حاصل کی ہے۔

۲۔ **"الحديث النبوی من الوجهة البلاغية"** از دکتور عز الدین علی سید۔ یہ کتاب مکتبہ وہب قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ **القصص النبوی** یہ سید سحاقہ وسید تقی الدین نے آپس کے تعاون سے تالیف کیا۔

۴۔ **تذکرة الدعاة** از استاذ بھی اللہ خولی، اس کتاب میں جہاں انہوں نے دعوۃ کے اسالیب بیان کئے ہیں، وہاں بعض احادیث کی ادبی حیثیت سے شرح کی ہے۔

۵۔ **الحدیث النبوی** [illegible] از استاذ محمود الصباغ اٰنؒ میں بعض قصص کو کتب احادیث سے جمع کیا ہے۔

۶۔ **القصص فی الحدیث النبوی** از استاد محمد حسن الزیر، یہ اپنے موضوع پر اہم کتاب ہے۔ جو ۱۹۷۸ء میں مصر سے شائع ہوئی۔

۷۔ **قصص الماضين فی حديث سيد المرسلين** از استاد مشہور حسن سلمان، ریاض سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصے تعلیم و تربیت کی غرض سے بیان فرمائے ہیں، جن سے اسلام کے عقائد واعمال و اخلاق کی عظمت بیان کرنی مقصود تھی۔ اس لئے کبھی ایک ہی قصہ کو متعدد مجالس میں بیان فرمایا۔

بعض علماء نے صحاح ستہ و موطا محمد و سنن دارمی و مسند احمد ان کتابوں سے ان قصص کے مکررات کو حذف کرنے کے بعد شمار کیا ہے۔ ان کی تعداد ۱۳۹ر تک پہنچتی ہے۔ اگر حدیث کے دیگر مصادر کو سامنے رکھ کر یہ قصے جمع کئے جائیں تو یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔

ان قصص کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے ان پر عناوین قائم کئے ہیں، امام بخاری نے متعدد تراجم ان قصص پر قائم کئے ہیں اور ترجمہ کے تحت قصہ کو ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری کے بعض تراجم:

باب قصه الجيش وقول النبي صلى الله عليه وسلم يا بني رقدة باب قصه غزوة بدر ، باب قصه الاسود العنسي، باب قصة يا جوج و ماجوج، باب قصة عمر و بن طفيل الدوسي، باب قصه اهل نجران۔

اسی طرح ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں:

وقص الحديث،

صحيح مسلم میں باب : قصة الجساسة باب قصة اصحاب الأخدود والساحر والراهب والغلام

امام ترمذی اکثر فرماتے ہیں:

وفي الحديث قصة

اور امام فرماتے ہیں:

فذكر قصة في هذ الحديث طويله

اس طرح کی مثالیں دیگر مصادر میں موجود ہیں، جو قصے حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں وہ مختلف نوعیت کے ہیں۔

کچھ قصے ایسے ہیں جن کا تعلق انبیاء و رسل سے ہے۔ کچھ قصے ایسے ہیں جن کا تعلق اخبار الماضین سے ہے۔ اور بعض کا تعلق بعثت اور آخرت کے دن سے ہے، اور بہت سے قصے ایسے ہیں جن کا تعلق علامات قیامت سے ہے اور بعض کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات گرامی سے ہے، ان میں کچھ کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی تجارت سے ہے اور بعض کا تعلق امور غیبیہ سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت نگاری کے لئے ان قصص سے استفادہ کیا جانا چاہئے تاکہ عبرت وموعظت کو مؤثر بنا کر تبلیغ کا صحیح حق ادا کیا جاسکے۔

آٹھویں اصول : کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۂ یوسف/۱۱۱
۲۔ ہفت روزہ تعمیر حیات لکھنو انڈیا ۱۰/ اپریل ۱۹۹۹ء، ص/۶
۳۔ سورۂ الممتحنہ/۴ اور ۶
۴۔ سورۂ ہود/۲
۵۔ سورۂ یوسف/۲
۶۔ سورۂ الانعام/۱۳۰
۷۔ سورۂ الاعراف/۱۷۶

نواں اصول: علم آثار صحابہؓ وصحابیاتؓ

جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، اسے آثار نبوی کہا جاتا ہے، اسی طرح جب یہ لفظ مطلقاً استعمال ہو تو بھی یہی مطلب ہوتا ہے(۱) لیکن جو عمل صحابہؓ یا صحابیاتؓ سے منقول ہو اسے آثار صحابہ کہتے ہیں۔ سیرت طیبہ پر لکھنے والوں میں محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی، مورخ بھی ہیں اور سیرت نگار بھی، مدبر بھی ہیں اور قانون دان بھی، ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی، اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، انہوں نے جس صحت، جامعیت، دقت نظر اور شفقت سے رسول مبین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیاتِ مبارکہ اور آپ ﷺ کے عہد ہمایوں پر قلم اٹھایا، وہ تو خیر تحسین کے قابل تھے ہی لیکن بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس کام کو جس امعان نظر سے انجام دیا ہے، وہ بھی داد کے قابل ہیں۔ صحابہؓ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے ایک شعوری اور جذباتی لگاؤ تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھتے رہتے لیکن ان کی آنکھیں نہ تھکتیں، وہ آپ ﷺ کو سنتے رہتے لیکن اکتاہٹ محسوس نہ کرتے، دید میں بھی انہیں حسرتِ دید رہی، جہد وکوشش کی کڑی سے کڑی آزمائش سے گزرنے کے باوجود ان کی ہمتیں پست ہوئیں نہ ان کے پاؤں ڈگمگائے، اتباعِ رسول ﷺ میں انہوں نے سرمو انحراف کیا نہ کبھی تعمیل ارشاد میں ان سے سستی ہوئی۔ ان صحابہ کبارؓ کے لئے آپ ﷺ کی اطاعت عین ذاتِ خداوندی کی اطاعت تھی، اور قربات عنداللہ کا واحد ذریعہ۔

سیرت کا آثار صحابہؓ سے تعلق: یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے احکام پر اس وقت عمل کیا جاسکتا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو نمونہ بنا کر ان طریقوں کو اپنایا جائے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور ویسا ہی عمل کیا جائے جیسا آپ نے کرکے دکھایا، یہی سیرت ہے اور یہ عمل ہم تک صحابہؓ کے توسط سے پہنچا ہے۔ گویا دوسرا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہے جسے بسااوقات تعامل اہل مدینہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے چنانچہ مالکیوں نے اہل مدینہ کے عرف وعادات اور طور طریقوں

کو قانون سازی میں بہت اہمیت دی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا درجہ امت اسلامیہ میں بہت بلند ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد کسی بھی انسان کو صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوسکتا۔ نیز صحابہ کرامؓ نے دین اسلام کو اپنے خون سے سینچا اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر دین کی حفاظت کی۔ ان میں عشرہ مبشرہ ہیں۔ ان میں اہل بدر واحد ہیں۔ سب سے بڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو روشنی کے ستارے قرار دیا اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تاہم اگر وقت نظر سے دیکھا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا شرف اور مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی پیروی کی وجہ سے ہے کیونکہ بحالت ایمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی نے انہیں صحابی ہونے کا شرف عطا کیا، نیز اسلام کی آمد سے پہلے عربوں کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں، ان میں تمام انسانی برائیاں پائی جاتی تھیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کیمیا گر نظر سے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ حالی نے کیا خوب کہا ہے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے اک نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

صحابہ کرامؓ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی پیروی کرنے کی تلقین فرمائی اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک صحابہ کرام اسوۂ حسنہ کے مطابق عمل کرتے رہیں ان کی راہ اپنائی جائے۔ گویا اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ سیرت نبوی پر صحابہ کرامؓ نے جس طرح عمل کیا عام مسلمان بھی اسی طرح عمل کریں، جس سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ کے راستہ پر چلنا درحقیقت سیرت نبوی ﷺ کی راہ اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ اصل نمونہ خاتم الانبیاء کا اسوۂ حسنہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی یہی خصوصیت ہے جن کی راہ پر چلنے اور اتباع کرنے کی ہر بندہ نماز میں دعاء کرتا ہے:

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم(۲)

اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے دنیا و آخرت میں انعام فرمایا ہے۔

ایسا انعام کہ یہ انعام یافتگان اللہ سے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔(۳)

آثار صحابہؓ کی اہمیت اور اس کے مأخذ: سیرت کو سمجھنے کے لئے اقوال صحابہؓ و آثار صحابہؓ وصحابیاتؓ بہت اہمیت کے حامل ہیں اسی لئے میں نے سیرت نگاری کے لئے ایک اصول قرار دیا ہے۔ صحابہؓ شاہد ہیں نزول آیات و واقعات کے پس منظر کے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی جو بھی آیت نازل ہوئی:

أنا اعلم فیمن نزلت؟ أین نزلت (۴)

ا۔ میں جانتا ہوں کیوں نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ اور ہمارا (صحابہؓ کا) معمول تھا جب تک دس آیات کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے اور عمل نہ کر لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔(۵)

جن صحابہؓ کے آثار بکثرت منقول ہیں ان میں خلفاء اربعہ ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابن مسعودؓ، بن عباسؓ، اُبی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت أبو ہریرہؓ وغیرہ کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔(۶) طبقات المفسرین نے ایسے ۲۹ افراد کا ذکر کیا ہے۔(۷) جن حضرات نے ان آثار کو جمع کیا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں،

تفسیر بالمأثور کو جن حضرات نے جمع کیا ہے ان میں ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، ابوبکر النیسا بوری (۳۱۸ھ)، أبی حاتم (م ۳۲۷ھ)، ابن حبان (م ۳۶۹) حاکم (م ۴۰۵ھ)، ابوبکر بن مردویں (م ۴۰۱ھ) شامل ہیں۔(۸)

البتہ امام طبری کو دیگر پر یہ خصوصیات حاصل ہے وہ متعدد اقوال و آثار نقل کر کے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں اور وجوہ ترجیح بیان کر دیتے ہیں، یہ آثار درج ذیل ذخائر میں محفوظ ہیں۔

ا۔ تفسیری لٹریچر میں۔

۲۔ حدیث کی کتابوں میں۔
۳۔ کتب سیرت میں ہے۔
۴۔ سوانح کی کتابوں میں۔
۵۔ کچھ مستقل کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

آثار صحابہؓ پر تصانیف : اقوال و آثار صحابہ کا ذخیرہ بہت سی تفاسیر میں موجود ہے، جس میں سے بطور نمونہ کچھ یہ ہیں:

۱۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن مصنفہ أبو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ)
۲۔ تفسیر بقی بن مخلد مصنفہ بقی بن مخلد الاندلیسی القرطبی
۳۔ بحر العلوم مصنفہ ابو اللیث السمر قندی (م ۳۷۳ھ)
۴۔ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن مصنفہ أبو اسحٰق الثعلبی النیسا بوری (م ۴۲۷ھ)
۵۔ معالم التنزیل مصنفہ أبو محمد الحسین بن مسعود البغوی (م ۵۱۰ھ)
۶۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ابو محمد عبدالحق بن غالب الاندلسی (م ۵۴۶ھ)
۷۔ تفسیر القرآن العظیم حافظ عماد الدین بن کثیر (م ۷۷۴ھ)
۸۔ الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)(۹)
۹۔ تفسیر قرطبی ڈاکٹر ابوالنور نے ایسی تفاسیر کا مکمل جائزہ پیش کیا ہے۔(۱۰) اقوال و آثار صحابہؓ کا ذخیرہ بہت سی کتب احادیث میں بھی محفوظ ہے۔ جس میں سے بطور نمونہ چند یہ ہیں۔

۱۔ صحاح ستہ: بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ
۲۔ مصنف عبدالرزاق
۳۔ مصنف بن أبی شیبہ وغیرہ
۴۔ مسند احمد بن حنبل
۵۔ جامع الاصول لا حادیث الرسول ابن اثیر الجزری وغیرہ

کتب سیرت میں سے۔

۱۔ سیرت و مغازی ابن اسحٰق

۲۔ سیرت ومغازی موسیٰ بن عقبہ

۳۔ المغازی لزہری

۴۔ سیرت حلبیہ

۵۔ سبل الہدیٰ والرشاد وغیرہ

کچھ تصانیف جدا جدا شخصیات پر لکھی گئی ہیں۔ جن میں اس صحابہ و تابعی سے منقول اقوال و آثار جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ فقہ ابوبکرؓ

۲۔ فقہ عمرؓ

۳۔ فقہ علیؓ

۴۔ فقہ عبداللہ بن مسعود

۵۔ فقہ سفیان ثوری

۶۔ فقہ عمر بن عبدالعزیز

۷۔ فقہ حسن بصری وغیرہ

اسی طرح موسوعۃ آثار الصحابہ کے نام سے حال ہی میں دو جلدوں میں کتاب شائع ہوچکی ہے۔ جس میں آثار کا بہت عظیم ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ آثار کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب سیاسی وثیقہ جات میں خلفاء اربعہ و صحابہ کرام کے آثار کو جمع کر دیا ہے۔(۱۱)

خلاصہ بحث یہ کہ سیرت نگار کی نظر اس ذخیرہ پر بھی ہونی چاہئے تا کہ جس پہلو پر کام ہو وہ ہر لحاظ سے جامع ہو۔

نویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

1- Al Khudrowi, decb A Dictionary of Islamic Terms Al yamamah Beirut 1995 p.16

۲۔ سورۃ الفاتحہ/۵۔۶

۳۔ سورۃ البینۃ/۸

۴۔ ابن حجر، فتح الباری، شرح صحیح البخاری ج/۹ص/۴۷

۵۔ الطبری، تفسیر طبری، ج/۱ص/۲۸

۶۔ ابوالنور الحدیدی، الدکتور، التفسیر بالمأثور و مناحج المفسرین بحوث المرکز التعلیم الاسلامی مکۃ ۱۹۸۲ء، ص/۴۷

۷۔ الاہ دنہ وی، طبقات المفسرین احمد بن محمد بن الادنہ وی تحقیق سلیمان بن صالح مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ ۱۹۹۷ء، ص/۳۔۸

۸۔ ابوالنور الحدیدی، الدکتور، التفسیر بالمأثور و مناھم المفسرس، ص/۸۷۔۸۸

۹۔ ایضاً ص/۹۱۔۱۰۱

۱۰۔ الفتسیر با المأثور و مناحج المفسرین فیہ کو ملاحظہ کریں۔

۱۱۔ دیکھئے: حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، سیاسی وثیقہ جات مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء

تمت ابالخیر

دسواں اصول: علم رجال حدیث نبوی ﷺ ہے

ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع پر (۱۰ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مند لاکھ ڈیڑھ لاکھ تھے، جو حاضر نہیں تھے۔ ان کی تعداد یقیناً اس سے کئی گناہ زیادہ ہوگی، ماہرین حدیث کے مطابق جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، ایک لاکھ سے زائد ہے۔ دنیا کی کسی شخصیت کے حالات کے اتنے سارے عینی شاہدین کیا اس کا ہزاروں حصہ بھی نہیں ملیں گے۔(۱) ایسے حضرات کے ذریعے جب تمام سرمایہ سیرت وحدیث تحریر ہوگیا تو ان تمام راویوں کے احوال کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا، اسی تحریر شدہ ذخیرہ علم کا نام علم رجال اور ایسی کتابوں کا نام کتب رجال ہے۔ بقول جرمن اسکالر ڈاکٹر اسپرنگر ''کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص (راویوں) کا حال (سوانح حیات) معلوم ہوسکتا ہے۔''(۲)

علم رجال کی خصوصیت : علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: سیرت نبوی کے واقعات بعد میں قلمبند ہوئے۔ ابتداء سب زبانی روایتوں کی شکل میں تھے۔ مصنفین کا مأخذ کوئی کتاب نہیں تھی۔ اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے حالانکہ مدت کے بعد قلم بند کئے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کرلی جاتی، جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے،

جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، اور کسی شخص کے رتبہ و حیثیت کی پروا نہ کی، بڑے بڑے مقتداؤں اور بادشاہوں کی سراغ رسانی اور پردہ داری کر کے ان کے حالات مرتب کئے۔ (۳) شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں: صدر اول یعنی تابعین و تبع تابعین کے دور سے امام بخاری و امام مسلم کے دور تک راویوں کے حالات کی جستجو کی اور جس شخص میں شمہ برابر بھی بد دیانتی کذب یا سوء حفظ (یاداشت کی کمزوری) محسوس کی اس کی حدیث نہیں قبول کرتے تھے۔ (۴) جن صحابہؓ و صحابیاتؓ سے سب سے زیادہ حدیثیں منقول تھیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ابو ہریرہ المتوفی سنہ (۵۹ھ) تعداد حدیث ۵۳۷۴

۲۔ عائشہ ام المومنین المتوفی سنہ (۵۷ھ) تعداد حدیث ۲۲۱۰

۳۔ انس بن مالک المتوفی سنہ (۹۳ھ) تعداد حدیث ۲۲۸۶

۴۔ عبداللہ بن عباس المتوفی سنہ (۶۸ھ) تعداد حدیث ۱۶۹۶

۵۔ عبداللہ بن عمر المتوفی سنہ (۷۳ھ) تعداد حدیث ۲۶۳۰

۶۔ جابر بن عبداللہ المتوفی سنہ (۷۸ھ) تعداد حدیث ۱۵۴۰

۷۔ ابو سعید الخدری المتوفی سنہ (۷۴ھ) تعداد حدیث ۱۱۷۰

۸۔ ابن مسعود المتوفی تعداد حدیث ۸۴۸

۹۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص تعداد حدیث ۷۰۰ (۶)

سیرت کا علم رجال سے تعلق: صحابہؓ کے حالات جن کتابوں میں جمع کیے گئے، انہیں ''کتب اسماء الرجال'' کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں اس لحاظ سے بڑی مفید ہیں کہ صحابہؓ کرامؓ

کے حالات وکوائف منضبط کرتے وقت ضمناً آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بھی ان میں محفوظ ہو گئے ہیں، کیونکہ صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے جو کچھ سنا، سیکھا یا آپ ﷺ کا جو بھی واقعہ ان کی نظر سے گزرا، وہ سب کچھ صحابہؓ نے اپنے راویوں کے سامنے بیان کیا۔ یوں صحابہ کرامؓ کے حالات سے بالواسطہ ہمیں آنخضرت ﷺ کے واقعات زندگی بھی معلوم ہوتے گئے۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں کی ابتداء میں صحابہؓ اور تابعین کے تذکرے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کا بھی مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ سیرت رسول ﷺ کے لئے کتب اسماء الرجال کا یہ عظیم الشان سرمایہ انتہائی قابل قدر ہے۔ سیرت اور حدیث دونوں کے راوی ایک ہیں، سیرت میں جہاں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ ہوتا وہیں صحابہؓ کا بھی ذکر آتا ہے۔ اور کتب رجال میں جہاں صحابہؓ کا ذکر آتا ہے وہاں نبی کریم ﷺ کا ذکر آتا ہے۔ (۷)

کتب اسماء الرجال کا تعلق فن حدیث کے دو علوم ''رجال الحدیث'' اور ''جرح و تعدیل'' سے ہے۔ اول الذکر میں حدیث و سیرت کے راویوں کے حالات زندگی کا ذکر کیا جاتا ہے اور ثانی الذکر میں بحیثیت راوی ان کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی جاتی ہے۔ کتب اسماء الرجال میں راویوں کے حالات سے پہلے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ ہوتا ہے اس لئے بے شمار راویوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے حالات بھی کتب اسماء الرجال کا جزو بن گئے، تاہم بعض کتابیں خاص طور پر صحابہؓ کے حالات کے لئے وقف ہیں اور ان میں بعد کے راویوں پر تنقید و جرح شامل نہیں ہے۔ (۸) اس جگہ میں صرف صحابہؓ تک ہی اپنی بحث کو محدود رکھوں گا، اس لئے کہ میرا دائرہ بحث فقط صحابہؓ ہیں۔

علم رجال حدیث کا تدوینی ارتقاء: مسلمان اس اعتبار سے دنیا کی ایسی منفرد قوم ہے جس نے اپنے نبی ﷺ کے اقوال و آثار کو محفوظ کرنے میں بے مثال سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ آنخضور ﷺ کی سیرت کی حفاظت میں ان جزئیات کا بھی استقصاء کیا جو بظاہر غیر اہم معلوم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے رفقاء نے آپ ﷺ کی جملہ تفصیلات کو نقل کیا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ نقل و روایت کا عمل بے ہنگم نہیں تھا۔ اول روز سے ہی احتیاط پیش نظر رہی۔ ابتدائی دور میں جو سادہ احتیاطی تدابیر تھیں آگے چل کر اصول علمیہ کی صورت اختیار کر گئیں۔

حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے ابوبکر صدیقؓ کے احوال میں لکھا ہے کہ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے قبول خبر میں احتیاط سے کام لیا۔(۹) حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے محدثین کے لئے روایت میں جانچ پڑتال کا طریقہ وضع کیا۔ اور جب انہیں شک ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے۔ بلکہ شہادت طلب کرتے تھے۔(۱۰) حضرت علیؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ذہبیؒ لکھتے ہیں وہ امام عالم تھے اور روایت قبول کرنے میں چھان پھٹک سے کام لیتے یہاں تک کہ حدیث روایت کرنے والے سے حلف کا مطالبہ کرتے۔(۱۱) اور حضرت عائشہؓ کی روایت ''میت کو اس کے خاندان کی آہ و بکا کے باعث عذاب ہوتا ہے'' پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قرآن حکیم کی آیت کے خلاف ہے اور کہا کہ انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔(۱۲) ان حضرات کی احتیاط صحابہؓ پر کسی عدم اعتماد کا نتیجہ نہ تھی کیونکہ یہ سب لوگ صحبت رسول ﷺ کے فیض یافتہ تھے۔ یہ متقیانہ روش تھی کہ آنحضور ﷺ کی طرف سماع وفہم کی غلطی سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، اکثر صحابیؓ روایت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ سے مروی یہ قول پیش نظر رکھتے:

مَنْ کَذبَ علیَّ متعمداً فَلْیتبوأ مَقْعده مِنَ النَّارِ۔(۱۳)

جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالینا چاہیے۔

صحابہؓ اور تابعینؒ کا دور عہد رسول ﷺ سے قریب کے باعث اور ان حضرات کی عدالت اور ان کے شرف کی وجہ سے انہیں جرح وتعدیل کا موضوع نہیں بنایا گیا، کیونکہ صحابہ کرامؓ عدول تھے۔(۱۴) اور تابعین محترم (۱۵) لیکن ان کی روایت کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔

مبتدعین اور فتنہ گروں نے وضع احادیث کا سلسلہ شروع کیا تو اہل علم کو خطرے کا احساس ہوا۔ انہوں نے حدیث کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ یہی وہ دور ہے جب حدیث کے سلسلے میں اسناد اور رواۃ کے حال پر زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے ''مقدمہ'' اور امام ترمذی نے ''العلل'' میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے:

لَمْ یکونوا یسالون عَن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا

سَمُّوا لنا رجالکم فینظر الی حدیث اهل السنة فیوخذ حدیثهم و ینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم ۔(۱۶)

پہلے لوگ اسناد کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے لیکن جب دور فتنہ آیا تو کہنے لگے: تم اپنے رجال (راویوں) کے نام بتاؤ تا کہ اہل سنت کی روایت کو قبول کیا جا سکے اور اہل بدعت کی حدیث کو رد کیا جا سکے۔

علماء صحابہؓ نے لوگوں کو اس امر کی ترغیب دی کہ راویوں سے حدیث اخذ کرنے میں احتیاط سے کام لیں اور صرف ان ہی افراد سے حدیث قبول کریں، جن کے دین اور حافظے پر انہیں اعتماد ہو، اس طرح اہل علم و دین میں ایک قاعدہ اشاعت پذیر ہوا، جس کے الفاظ کچھ یوں تھے:

انما هذه الا حادیث دین فانظروا عمن تاخذونها (۱۷)

بلا شبہ یہ احادیث دین ہی تو ہیں سو تمہیں ضرور جاننا چاہیے کہ تم کس سے اخذ کر رہے ہو۔

فن رجال کے ماہرین: صحابہؓ میں سے عبداللہ بن عباسؓ (م ۹۶ھ) ''عبادۃ بن الصامت'' (۱۹) اور انس بن مالک (م ۹۳ھ) (۲۰) وغیرہ نے رجال کے بارے میں اظہار خیال کیا، گو اس کی حیثیت بالکل ابتدائی تھی۔ تابعین میں سے سعید بن المسیب (۲۱) عامر الشعبیؒ (۲۲) اور ابن سیرینؒ (۲۳) وغیرہ نے رجال کی تحقیق کے سلسلے میں اس طریق کو آگے بڑھایا۔ ان کے علاوہ شعبی (م ۱۰۴ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ)، اعمش (م ۱۴۸ھ)، شعبہ (م ۱۶۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، ابن مبارک (م ۱۸۱ھ) ابن عیینہ (م ۱۹۷ھ)، یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ) اور احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب مشہور محدث یحیٰی ابن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے لکھی تھی، پھر اُن کے تلامذہ یحیٰی ابن معین (م ۲۳۳ھ)، امام احمد (م ۲۴۱ھ)، ابوخیثمہ (م ۲۳۴ھ) اور عمرو ابن علی الفلاس (م ۲۴۹ھ) وغیرہ نے اس فن میں داد تحقیق لی، پھر ان لوگوں کے تلامذہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے ادھر توجہ کی۔

علم رجال حدیث کی اہم تصانیف : جو کتابیں راویان حدیث کے حالات پر لکھی گئی ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جن میں صرف صحابہؓ کے حالات ہیں کچھ وہ ہیں جن میں بلاتخصیص حالات جمع کئے گئے ہیں۔ یہاں میں صرف صحابہؓ پر لکھی ہوئی کتابیں پیش کر رہا ہوں۔ کچھ غیر صحابی افراد کا ان کتب میں ضمناً ذکر آیا ہے۔

۱۔ الصحابة، لأبی عبید معمر بن المثنی (ت ۲۰۸ھ) ذکرہ ابن کثیر (۱)

۲۔ فضائل الصحابة، لاسد بن موسی المعروف بأسد النسة (ت ۲۱۲ھ) (۲۶)

۳۔ الطبقات الکبری، لابن سعد (ت ۲۳۰ھ) (مطبوع)

۴۔ معرفة من نَزَلَ من۴الصحابة سائر البلدان، لعلی بن المدینی (ت ۲۳۴ھ) (۲۷)

۵۔ تسمية اولاد العشرة وغيره هم من الصحابة، لعلی بن المدين، مطبوع

۶۔ الصحابة، لخليفة بن خياط (ت ۲۴۰ھ) (۲۸)

۷۔ الطبقات، لخليفة بن خياط ايضاً، مطبوع

غالباً دونوں ایک ہی کتابیں ہیں:

۸۔ فضائل الصحابة، للإمام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) دو جلدیں

۹۔ الصحابة، لعبد الرحمن بن إبراهيم المعروف بدحيم (ت ۲۴۵ھ) (۲۹)

۱۰۔ الصحابة، لأبی عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری (ت ۲۵۶ھ) (۳۰)

۱۱۔ الوجدان، للبخاری، ذکره أبو نعيم الأصبهانی (۳۱)

۱۲۔ التاريخ الكبير، للإمام البخاری ايضاً، (مطبوع)

۱۳۔ التاريخ الصغير (وصواب: الأوسط) للإمام البخاری ايضاً: مطبوع

۱۴۔ من نزل فلسطين من الصحابة، لموسى بن سهل الرَّملی

(ت۲٦۰ھ)(۳۲)

۱۵۔ الضبقات للإمام مسلمبنالحجاج النیسابوری (ت۲٦۱ھ)(۳۳)

۱٦۔ المنفردات والوحدان، للإمام مسلم، أورد فیه الصحابة الذین لم یرو بن حجاج النیسا بوری (ت۲٦۱ھ)(۳۴)

۱۷۔ الصحابة، لأبی زرعة الرازی (ت۲٦۴ھ)(۳٦)

۱۸۔ الصحابة، لاحمد بن سیّار المروزی (ت۲٦۸ھ)(۳٦)

۱۹۔ الصحابة، لابی بکر أحمد بن عبداللّٰه المعروف بابن البرقی (ت۲۷۰ھ)(۳۷)

۲۰۔ الصحابة، لابی داود سلیمان بن الأشعث الحجستانی (ت ۲۷۵ھ)(۳۸)

۲۱۔ الصحابة، لأبی حاتم محمد بن إدریس الرازی (ت۲۷۵ھ)(۳۹)

۲۲۔ المعرفة والتاریخ، لیعقوب بن سفیان الفسوی (ت۲۷۷ھ)

۲۳۔ تمیة اصحاب رسول اللّٰه ﷺ، لأبی عیسی محمد بن عیسی الترمذی (ت۲۷۰ھ)(۴۰)

۲۴۔ الصحابة، لأحمد بن زهیر، المعروف بابن أبی خیثمة (ت ۲۷۹ھ)(۴۱)

۲۵۔ التاریخ، لأبن أبی خیثمة (۴۲)(مخطوط)

۲٦۔ تسمیة من نزل الشام من الصحابة، لأبی زرعة عبدالرحمن بن عمرو الدمشقی (ت۲۸۱ھ)(۴۳)

۲۷۔ الصحابة، لمحمد بن یونس الکدیمی (ت۲۸٦ھ)(۴۴)

۲۸۔ الآحاد والمشانی، لأبی بکر أحمد بن عمرو المعروف بابن أبی عاصم (ت ۲۸۷ھ)(مطبوع)

۲۹۔ معرفة الصحابة، لأبی محمد عبداللّٰه بن محمد المعروف بعبدان المروزی(ت۲۹۳ھ)(۴۵)

۳۰۔ الصحابة، لأبی جعفر محمد بن عبداللّٰه الحضرمی المعروف به

مطین (ت ۲۹۷ھ)(۴۶)

۳۱۔ الصحابة، لأبی منصور محمد بن سعد الباوردی (ت۳۰۱ھ)(۴۷)

۳۲۔ فضائل الصحابة للنسائی (ت۳۰۳ھ) مطبوع

۳۳۔ فضائل فاطمة للنسائی ایضاً، مطبوع، وهما جزء ان من السنن الکبری للنسائی

۳۴۔ الآحاد فی الصحابة، لأبی محمد عبداللّٰه بن الجارود النیسابوری (ت ۳۰۷ھ)(۴۸)

۳۵۔ ذیل المذیل من تاریخ الصحابة، لأبی جعفر الطبری (ت۳۱۰ھ)

۳۶۔ ذیل المذیل من تاریخ الصحابة، لأبی جعفر الطبری (ت ۳۱۰ھ)(۴۹)

۳۷۔ الصحابة، لأبی بکر عبداللّٰه بن أبی داود السجستانی (ت ۳۱۶ھ)(۵۱)

۳۸۔ معجم الصحابة، لأبی القاسم عبداللّٰه بن محمد البغوی (ت ۳۱۷ھ)(۵۱) مخطوط

۳۹۔ الطبقات، لأبی عروبة الحسین بن محمد السلمی الحرانی (ت ۳۱۸ھ)(۵۲) مخطوط

۴۰۔ الصحابة، لأبی جعفر محمد بن عمر العقیلی (ت۳۲۲ھ)(۵۳)

۴۱۔ الصحابة، لأبی العباس محمد بن عبدالرحمن الدغولی (ت ۳۲۵ھ)(۵۴)

۴۲۔ فضائل الصحابة، للقاضی بکر بن العلاً المالکی (ت۳۴۴ھ)(۵۵)

۴۳۔ فضائل الصحابة، لأبی سعید بن العرابی (ت۳۴۰ھ)(۵۶)

۴۴۔ فضائل الخلفاء الأربعة، لأبی أحمد بن إسحاق النیسابوری (ت ۳۴۲ھ)(۵۷)

۴۵۔ فضائل الصحابة، لخیثمة بن سلیمان (ت۳۴۳ھ)(۵۸)

۴۶۔ فضائل الصدیق، لخیثمة ایضاً مخطوطه

۴۷۔ الصحابة، للقاضي أبي أحمد بن محمد العسال (ت ۳۴۹ھ)(۵۹)

۴۸۔ معجم الصحابة، للقاضی أبي الحسین عبدالباقی بن قانع (ت۳۵۱ھ)

۴۹۔ معجم الصحابة لأبي علی سعید بن عثمان البغدادی المعروف بابن السکن (ت ۳۵۳ھ)(۶۰)

۵۰۔ الصحابة، لأبن حبان البستي (ت ۳۵۴ھ)(۶۱) ذکر ابن حجر مخطوط

۵۱۔ الثقات، لابن حبان أیضا ۹ / جلدیں

۵۲۔ المعجم الکبیر، لأبي القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (ت۳۶۰ھ) مطبوع

۵۳۔ أسماء الصحابة، لأبي أحمد عبدالله بن عدی الجرجانی (ت ۳۶۵ھ)(۶۲)

۵۴۔ أسماء الصحابة، لأبي بکر أحمد بن إبراهیم الاسماعیلی ذکره ابن عتید (ت۳۷۱ھ)(۶۳)

۵۵۔ الصحابة، لأبي الفتح محمد بن الحسن الأزدی (ت۳۷۴ھ)(۶۴)

۵۶۔ معرفة الصحابة، لأبي أحمد الحسن بن عبدالله العسکری (ت ۳۸۲ھ)(۶۵)

۵۷۔ أسماء الصحابة الذین اتفق فیها البخاری و مسلم، وما انفرد به کل منهما، لأبي الحسن علی بن عمر الدارقطنی (ت ۳۸۵ھ)(۶۶) مخطوط

۵۸۔ فضائل الصحابة ومناقبهم، للدارقطنی ایضاً (۶۷) مخطوط

۵۹۔ الصحابة، لأبیحفص، عمر بن أحمد المعروف بابن شاهین (ت۳۸۵ھ)(۶۸)

۶۰۔ فضائل فاطمة، لأبن شاهین أیضاً مطبوع

۶۱۔ معرفة الصحابة، لأبي عبدالله محمد بن إسحاق بن منده (ت ۳۹۵ھ)

۶۲۔ جزء فیمن عاش من الصحابة، مائة وعشرین سنة، لابن منده،

مطبوع

۶۳۔ معجم الصحابة، لأبي بكر أحمد بن علي بن لآل الهمداني الشافعي (ت ۳۹۸ھ)(۶۹)

۶۴۔ فضائل الصحابة، لأبي المطرف عبدالرحمن بن محمد بن عيسى بن فطيس ابن أصبغ القُرطبي (ت ۴۰۲ھ)(۷۰)

۶۵۔ معرفة الصحابة، لأبي نعيم الُصبهاني (ت ۴۳۰ھ)(۷۱)

۶۶۔ حلية الُولياء، لأبي نعيم الأصبهاني ايضاً، مطبوعه

۶۷۔ فضائل الصحابة، لأبي نعيم الأصبهاني ايضاً (۷۲)

۶۸۔ معرفة الصحابة، لأبي العباس جعفر بن محمد المستغفري(ت ۴۳۲ھ)(۷۳)

۶۹۔ الاستيعاب في معرفة الأ صحابة، لأبي عمر يوسف بن عبداللّٰه بن محمد ابن عبدالبر (ت ۴۶۳ھ)مطبوع

۷۰۔ استدراک على الاستيعاب، لأبي على الغسائي (ت ۴۹۸ھ)

۷۱۔ ذيل الاستيعاب، لأبي بكر محمد بن أبي القاسم المعروف بابن فتحون الأندلسي المالكي (ت ۵۱۹ھ)(۷۴)

۷۲۔ الذيل على الاستيعاب، لأبي الحجاج يوسف بن محمد بن مقلد الجماهيري(ت ھ)(۷)

۷۳۔ معجم الصحابة، لأبي عساكر(ت ۵۷۱ھ)(۷۵)

۷۴۔ ترتيب أسماء الصحابة الذين أخرج حديثهم الإمام أحمد في المسند، لابن عساكر ايضاً، مطبوع

۷۵۔ الصحابة، لأبي موسى المديني محمد بن أبي بكر بن أبي عيسى الأصفهاني (ت ۵۸۱ھ)(۷۶)

۷۶۔ معجم الصحابة، لأبي المواهب الحسن بن هبة اللّٰه بن محفوظ بن صرصرى (ت ۵۸۶ھ)(۷۷)

۷۷۔ فضائل الصحابة، لأبي المواهب ايضاً، ذكره السيوطي والكنائي

ایضاً

۷۸۔ ذیل أبی القاسم محمد بن عبدالواحد الغافقی الغرناطی (ت ۶۱۹ھ) علی الاستیعاب، ذکرہ (۷۸)

۷۹۔ الأستبصار فی نسب الصحابة من الأنصار، لأبی قدامة المقدسی (ت ۶۲۰ھ) مطبوع

۸۰۔ تهذیب روضة الأحباب فی مختصر الاستیعاب للأذرعی، تالیف یحیی بن حمیدة الحلبی (ت ۶۳۰ھ) (۷۹)

۸۱۔ أسد الغابة فی معرفة الصحابة، لعزالدین بن الأثیر أبی الحسن علی بن محمد الجزری (ت ۶۳۰ھ) مطبوع

۸۲۔ نقعة الصدیان (فی الصحابة) للصغانی (ت ۶۵۰ھ) مطبوع

۸۳۔ مختصر کتاب أسد الغابة للنووی (ت ۶۷۶ھ) (۸۰)

۸۴۔ مختصر کتاب أسد الغابة، لمحمد بن أحمد الکاشفی النحوی اللغوی (ت ۷۰۵ھ) (۸۱)

۸۵۔ تجرید أسماء الصحابة، للذهبی أبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان (ت ۷۴۸ھ)

۸۶۔ الإصابة فی معرفة الصحابة، للحافظ ابن حجر، أحمد بن علی بن محمد العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) مطبوع

۸۷۔ الریاض المستطابة فی جملة من روی فی الصحیحین من الصحابة، لیحی أبی بکر العامری الیمنی (ت ۸۹۳ھ) مطبوع

۸۸۔ عین الإصابة فی معرفة الصحابة، لجلال الدین السیوطی (ت ۹۱۱ھ) (۸۲)

مذکورہ کتب میں سے بعض میں ضمناً تابعین و تبع تابعین کا بھی تذکرہ آخر میں بطور نمونہ چند کتب کا تفصیلی پیش خدمت ہے۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد (عربی بارہ/جلدیں اردو آٹھ جلدیں)

• سیرت رسول ﷺ تاریخ خلفاء راشدین و اخبار صحابہؓ و صحابیاتؓ پر مشتمل ایڈیشن،

تاریخی مجموعہ جواہر عبداللہ محمد بن سعد البصری نے ۲۰۷ھ اور ۲۲۷ھ کی درمیانی دور میں مرتب کیا۔ ابوعبداللہ جو مامون و ہارون کے زمانہ کا عالم ہے۔ ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کو، ہشام، سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن علیہ، ولید بن مسلم جیسے کبار محدثین سے تلمیذ حاصل ہے۔ آپ کے استاد عمر واقدی بھی تھے، جن کو صحابہؓ جرح و تعدیل نے ثقہ و حجت نہیں مانا، البتہ ابن سعد کو تمام اساطین حدیث ثقہ، حجت، ثبت وصدوق مانتے ہیں، ابن ابی الدنیا (۲۰۸ھ/۸۲۳ء۔ ۲۸۱ھ/۸۹۴ء) جیسا جلیل القدر ادیب بھی ابن سعد کے درس میں بیٹھا کرتا تھا، امام محمد بن حنبل ان کے مجموعہ احادیث منگوا کر ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ابن سعد، غریب القرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور اخبار صحابہؓ جیسے جلیل القدر علوم، میں سرخیل تسلیم کئے جاتے تھے۔

ان کی مرتب کردہ کتاب الطبقات الکبریٰ الطبقات الکبیر سیرت رسول ﷺ اور اخبار صحابہؓ و تابعین میں بنیادی ماخذ و مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ بغداد میں قیام کے دوران یہ کتاب تالیف کی گئی اور مصنف کے دور میں ہی اس کو بےحد مقبولیت حاصل ہوئی۔ (۸۳) اور مولانا عبداللہ العمادی سے ۱۹۴۴ء میں اس کا ترجمہ کرایا اور اسے شائع کیا۔ لیکن یہ ترجمہ مکمل نہ تھا اور صرف ابتدائی پانچ حصوں کا تھا، آخری تین حصے ابھی ترجمہ سے ہی رہے۔ بعد ازاں نفیس اکیڈمی نے مولانا نذیرالحق صاحب میرٹھی سے اس کے آخری حصوں کا ترجمہ کرایا اور اسے شائع کیا، اس طرح یہ قیمتی و وقیع کتاب اب مکمل طور پر اردو زبان میں بھی دستیاب ہے۔ ترجمہ کے اول و دوم حصص نبی کریم ﷺ کی سیرت حصہ سوم خلفاء راشدین، چہارم مہاجرین و انصار پنجم، تابعین و تبع تابعین، ششم اصحاب کوفہ، ہفتم دور آخر کے صحابہؓ تابعین و فقہاء اور ہشتم صحالات و صحابیات کے عنوان سے ۲۲۱ھ تک کی خواتین اسلام کی سیرتوں پر مشتمل ہے۔ ائمہ اسماء الرجال کے نزدیک محمد بن سعد ایک محقق اور قابل اعتمال راوی ہیں۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

(محمد) بن سعد بن سیع الهاشی مولاهم ابوعبداللہ البصری نزیل بغداد کاتب الواقدی و صاحب الطبقات واحد الحفاظ ابکار الثقات (۸۴)

۲۔ اسد الغابة فی معرفه الصحابة

شمائل کے علاوہ ابن اثیر نے نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کی ایک معجم بہ ترتیب حروف تہجی بھی تیار کی جو ''اسد الغابۃ فی تفسیر الصحابۃ'' کے نام سے علماء وطلباء میں معروف ہے۔ اس کتاب میں ساڑھے سات ہزار افراد کے حالات زندگی قلمبند ہیں۔(۸۵)

۳۔ تهذیب الکمال فی اسماء الرجال امام مزی الدمشقی

اسما الرجال کی کتاب میں سب سے اہم کتاب امام مزی الدمشقی (ف ۷۴۲ھ) کی تہذیب الکمال فی اسماء والرجال ہے۔ اس کتاب میں امام مزی نے صحاح ستہ کے راویان کرام کے اسمائے گرامی ان کے اساتذہ، تلامذہ اور ان کے بارے میں اصل جرح و تعدیل کے اقوال جمع کئے ہیں، اور اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے کئی مؤلفین نے اس کتاب کا اختصار اور تہذیب کی ہے۔(۸۶)

عموماً اسما الرجال کی کتابوں میں سیرت نبوی ﷺ بیان نہیں کی جاتی، لیکن امام مزی نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ان کی کتاب کی ابتدا اس بابرکت تذکرے سے ہو، انہوں نے شروع میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ کتاب اس مقصد کے لئے نہیں ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب سیرت نبوی ﷺ کے ذکر سے خالی نہ رہے تاکہ برکت حاصل ہو اور آپ ﷺ کا ذکر مبارک شامل ہو سکے۔(۸۷)

اور اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کا نسب شریف، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی سیرت، آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ، آپ ﷺ کی مختصر سیرت بیان کی ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کی اولاد، حج اور عمروں کی تعداد، غزوات، آپ ﷺ کے ارسال کردہ نمائندے، آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے شمائل، جسمانی اور اخلاقی صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طرح تقریباً ستر صفحات میں سیرت النبی کا مختصر جائزہ پیش کر دیا ہے، اور اس تذکرے میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ تمام سیرت صحیح احادیث سے سند کے ساتھ حاصل کی گئی ہے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام مزی نے کتب حدیث اور کتب سیرت کی بنیاد پر صحیح ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔

۴۔ کتاب الثقات ابن حبان

اسما الرجال کی ایک اور اہم کتاب حافظ ابن حبان (ف ۳۵۴ھ) کی کتاب الثقات ہے، جس میں انہوں نے راوایان حدیث کی ایک کثیر تعداد کا تذکرہ کیا ہے، نو جلدوں میں یہ کتاب دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی، اس کی پہلی دو جلدوں میں موٗلف نے سیرت نبوی ﷺ کا تذکرہ بھی شامل کیا ہے، اور امام مزی کے برعکس نسب شریف ذکر کرنے کے بعد آپ ﷺ کی مکی زندگی کے حالات بھی بیان کئے ہیں، جو کہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہیں، اور اس کے بعد ہجرت کا ذکر شروع کیا ہے اور باقی سیرت طیبہ تسلسل زمنی کے ساتھ سال بہ سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے محدثین کے طریقے کے مطابق روایات کو سند کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال کے اہم واقعات میں غزوات، سرایا، تاریخ ولادت و وفات اور اس سال میں وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات بیان کئے ہیں، اور ان کا طریقہ خلیفہ بن خیاط کے طریقے سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

حافظ ابن حبان کے اہم مصادر میں کتب حدیث اور کتب سیرت مثلاً سیرت ابن ہشام اور مغازی واقدی شامل ہیں۔

تہذیب الکمال کی طرح کتاب الثقات میں بھی یہی کوشش نظر آتی ہے کہ سیرت کی صحیح روایات سند کے ساتھ جمع کر دی جائیں، ان کتابوں میں مذکورہ سیرت طیبہ ہمارے لئے دوسری کتابوں کی بہ نسبت کوئی جدید معلومات نہیں دیتی، لیکن ہر موٗلف جب اپنی سند سے روایت بیان کرتا ہے تو کثرت روایات تقویت کی باعث بنتی ہیں، اور مختلف روایات کے جمع ہونے سے کئی الفاظ اور واقعات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ طبقات اور تاریخ کی کتابوں کے ذریعے سے ہمیں واقعات کے تسلسل اور ترتیب کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، اور اسماء الرجال کی کتب ہمیں سند کے ذریعے سے مزید تقویت بہم پہنچاتی ہیں۔

اس جائزے سے ایک اہم نقطہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کتب سیرت و تاریخ کے ساتھ کتب حدیث سے سیرت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کتب سیرت و تاریخ میں بہت روایات مرسل اور منقطع اسانید کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہیں، جبکہ کتب حدیث میں روایات متصل سند کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے کتب

سیرت کی روایات کی توثیق ہو جاتی ہے۔

اگر یہی منہج اپنایا جائے تو ہم سیرت نبویہ ﷺ کو انتہائی مکمل اور صحیح انداز میں پیش کر سکتے ہیں اور یہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ کتب سیرت سے حاصل کردہ معلومات کے بارے میں مکمل یقین اور اطمینان کا حصول۔

۲۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نئی معلومات کا اضافہ، اس لئے کہ کتب سیرت اور تاریخ عموماً مغازی وغیرہ کو اہمیت دیتی ہیں، جبکہ کتب حدیث سے ہم بہت سی اجتماعی، اقتصادی اور انتظامی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

۳۔ مؤرخین کے درمیان اختلافی مسائل کی وضاحت، مثلاً غزوہ بنی المصطلق کے بارے میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اچانک حملہ کیا تھا، جبکہ کتب سیرت کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں پہلے خبردار کیا تھا اور تیاری کے بعد مریسیع کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔ اس مسئلے میں تین آرا پائی جاتی ہیں۔

۱۔ جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب نہیں ہے، یہ امام مازری اور قاضی عیاض کی رائے ہے۔

۲۔ دعوت دینا واجب ہے، امام مالک کی رائے ہے۔

۳۔ جس کو دعوت پہلے نہ پہنچی ہو اس کو دعوت دینا لازمی ہے اور جس کو پہنچ چکی ہو اس کے لئے دعوت دینا لازمی نہیں ہے، اور یہ رائے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد کی ہے، اور یہی راجح ہے۔ (۸) اور اس راجح موقف کی تائید امام بخاری کی روایت سے ہوتی ہے، اس صورت میں کتب سیرت اور تاریخ کی روایت کو قوی قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔

۴۔ مسلمان اہل علم کی کوششوں اور محنتوں کا بہترین ثمر ہمارے سامنے موجود ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، ان میں وہ روایات بھی ہیں جو کہ اصول حدیث کے قواعد و ضوابط کے مطابق صحیح یا حسن کے درجے میں ہیں، اور اس کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں جو کہ مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اترتیں، لیکن سند کی موجودگی میں ان کو آسانی سے

پرکھا جا سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسے تمام وسائل مہیا کر دیئے جن کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بالکل محفوظ و مصون ہوگئی اور ہر زمانے اور ہر عہد میں مسلمان اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل حل کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۵۔ **تواریخ امام بخاری**

امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے فن اسماء الرجال میں تین کتابیں تالیف کیں،

۱۔التاریخ الکبیر ، ۲۔ التاریخ الاوسط، ۳۔ التاریخ الصغیر، "التاریخ الکبیر" امام بخاری نے اٹھارہ برس کی عمر میں مرتب کی اور اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔"التاریخ الصغیر" میں آنحضرت ﷺ کے لئے پندرہ صفحات وقف ہیں اور باقی کتاب میں مہاجرین و انصار، صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے انتقال کے سنوں، نسب اور کنیت وغیرہ کی بحث ہے۔امام صاحب نے طریق کار یہ اختیار کیا ہے کہ ایک سن میں جن جن اصحاب نے انتقال کیا تھا، ان سب کا ایک جگہ تذکرہ کیا ہے اور پھر اگلے سن میں وفات پانے والوں کا سلسلہ وار ذکر ہے۔"التاریخ الاوسط" بھی اس فن کی ایک مفید کتاب ہے۔

۶۔ **کتاب الجرح والتعدیل**

یہ علامہ احمد بن عبداللہ العجلی (م ۲۶۱ھ) کی کتاب کا نام ہے اور اپنے فن کی ایک اہم کتاب ہے۔اسی نام کی ایک کتاب امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کی بھی ہے۔عقیلی نے بھی رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جو خاص ضعیف الروایہ لوگوں کے احوال پر مشتمل ہے۔امام دارقطنی کی کتاب بھی ضعیف الروایہ اشخاص کے حال میں ہے۔ "**کتاب الکامل فی معرفتہ الضعفا و المتروکین**" بھی اسی قسم کی کتاب ہے۔ جو ابواحمد عبداللہ بن محمد ابن عدی کی تالیف ہے اور فن اسماء الرجال کی سب سے مشہور کتاب ہے۔تمام محدثین اور متاخرین نے اسے اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ یہ سب کتابیں مشہور ہونے کے باوجود اب تقریباً ناپید ہیں، البتہ اب جن کتابوں کا ذکر آ رہا ہے، وہ موجود ہیں اور شائع ہو چکی ہیں۔

۷۔ **استیعاب فی معرفۃ الاصحاب**

حافظ ابوعمرو یوسف بن عبدالبر اندلسی (م ۴۶۳ھ) کی دو جلدوں پر مشتمل مشہور کتاب ہے۔ یہ پہلے حیدر آباد دکن میں اور پھر مصر میں شائع ہوئی۔

۸۔ **الکمال فی معرفۃ الرجال**

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ) کی تصنیف ہے۔

۹۔ **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے اور تین جلدوں میں ہے۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس پر اضافہ کر کے "**لسان المیزان**" نام رکھا۔ علاوہ ازیں ذہبی کی ایک کتاب "**الاصابہ فی تجرید اسماء الصحابہ**" ہے جس میں صحابہ کے ناموں کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے دی گئی ہے۔ اس کی بنیاد زیادہ تر ابن اثیر کی "اسد الغابہ" پر ہے۔

۱۰۔ **تہذیب التہذیب**

ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی بارہ جلدوں پر مشتمل مشہور تصنیف ہے، جو آٹھ سالوں میں مکمل ہوئی۔ انہیں کی ایک اور کتاب:

۱۱۔ **الاصابہ فی تمیز الصحابہ**

اس میں ابن حجر نے "**طبقاتِ ابن سعد**" "**الاستعاب**" اور "**اسد الغابہ**" کا نہ صرف مواد جمع کیا ہے بلکہ اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ "**الاصابہ**" مصر میں پہلے آٹھ جلدوں میں اب چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں معلومات کا لاجواب خزانہ ہے۔ اس کتاب کے بے شمار حوالے کتب سیرت میں آئے ہیں۔

ان کتابوں میں استیعاب، اسد الغابہ اور اصابہ خاص طور پر صحابہ کرامؓ کے تذکرے کے لئے وقف ہیں، لیکن ان میں بالواسطہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات بھی کافی تعداد میں شامل ہیں، جو سیرت کی کتابوں کا ایک اہم مآخذ ہیں۔ لہٰذا سیرت نگار کو چاہئے وہ علم رجال حدیث نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی کتب سے استفادہ کرے۔

تمت بالخیر

دسویں اصول کے حواشی و حوالہ جات

۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص/۲۴
۲۔ خالدی، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ص/۵۴۔۵۵، بحوالہ الاصابۃ انگریزی کا مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۳ء
۳۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی ج/۱ ص/۳۹
۴۔ دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث، عجالہ نافعہ ص/۲
۵۔ ابن الجوزی، تلقیح فہوم اہل الاثر، مطبوعہ انڈیا ص/۱۸۴، اور علم رجال الحدیث الدکتور تقی الدین ندوی المظاہری مکتبۃ الایمان مدینۃ ۱۹۸۷ء
۶۔ احمد بن محمد شاکر، الطباعت الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث مطبوعہ قاہرہ، ص/۱۸۸، اور حافظ سخاوی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث مدینۃ منورہ ۱۳۸۸ھ، ج/۳ ص/۱۰۷
۷۔ بن قانع البغہ روی الحنفی، أبي الحسین عبدالباقی، معجم الصحابۃ، ج/۱ ص/۷۵، مزید دیکھیں کتاب الثقات لابن حبان
۸۔ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ، ص/۱۶۷۔۱۶۸
۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱ اور الضعفاء الکبیر ۱/۱۰، مکتبہ علمیہ، بیروت
۱۰۔ الضعفاء الکبیر، ۱/۹، ۱۰، تذکرۃ ۱/۱۰،
۱۱۔ الضعفاء الکبیر، ۱/۱۰، تذکرۃ ۱/۱۰
۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، ۲/۱، دار الفکر، بیروت
۱۳۔ ایضاً، کتاب العلم، ۱/۳۵
۱۴۔ علوم الحدیث، ۲۶۴،
۱۵۔ علوم الحدیث ص/۲۷۱
۱۶۔ مسلم، الجامع، مقدمہ ۱/۱۱، ابن رجب، شرح العلل، ص/۸۱،

تحقیق صبحی جاسم، مطبوعہ بغداد

۱۷۔ خطیب بغدادی، شرف اصحاب الحدیث، ۴۱، مطبوع انقرہ، ۱۹۷۱ء

۱۸۔ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب القرشی الہاشمی (م ۶۸ھ) صحابی جلیل۔ ''حبر الامۃ'' کے نقب سے ملقب تھے۔علوم دینیہ سے گہرا لگاؤ تھا۔حضرت عمرابن عباسؓ کا خصوصی خیال فرماتے۔تذکرہ الحفاظ، ۱/۴۰،حلیۃ الاولیاء ۱/۳۱۴

۱۹۔ عبادۃ بن الصامت (م ۳۴ھ) مشہور صحابی، غزوات میں شریک ہوئے، سادات صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔تقریباً دوسو ۲۰۰/احادیث روایت کیں۔تہذیب، ۵/۱۱۱، حسن المحاضرۃ ۱/۸۹، سیر ۲/۵ الجرح والتقدیس، ۶/۹۵

۲۰۔ انس بن مالک الخزرجی الانصاری (م ۹۳ھ) رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے۔بچپن میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ بصرہ میں وفات پائی۔تذکرۃ ۱/۴۴،تہذیب، ۱/۳۷۶،تہذیب ابن عساکر، ۳/۱۳۹

۲۱۔ سعید بن المسیب المخرومی، القرشی (م ۹۴ھ) سید التابعین، مدینہ منورہ کے فقہاء میں سے تھے۔طلب علم کے لئے مختلف شہروں کے سفر کیے، تعبیر رؤیا میں دسترس رکھتے تھے۔ طبقات ابن سعد، ۵/۱۱۹، تذکرہ ۱/۵۱، وفیات، ۲/۳۷۵،

۲۲۔ عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری (م ۱۰۳ھ) ثقہ محدث اور اس اجل فقیہ تھے۔ضرب المثل حافظے کے مالک تھے۔تاریخ بغداد، ۱۲/۲۲۷، وفیات، ۳/۱۲،تہذیب ۵/۶۵، تذکرہ ۱/۷۴

۲۳۔ محمد بن سیرین البصری (م ۱۱۰ھ)، تابعی، علوم دینیہ میں اپنے وقت کے امام تھے۔ خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں شہرت رکھتے تھے، زاہد و عابد تھے۔تاریخ بغداد، ۵/۳۳۱، وفیات، ۴/۱۸۱،تہذیب ۹/۲۱۴، تذکرہ ۱/۷۳

۲۴۔ خالدی، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، ص/۱۶۸

۲۵۔ جامع المسانید لا بن کثیر ۲/۱۳۶

۲۶۔ فتح المغیث ۳/۱۲۰، الإعلان بالتوبیخ، ص/۹۵

۲۷۔ الرسالة المستطرفة: ۱۲۷

۲۸۔ جامع المسانید، ۱۲۱/۲

۲۹۔ جامع المسانید، ۱۱۹/۲

۳۰۔ معرفة الصابة، ترجمة رقم ۱۱۳، ۱۳۸، ۲۵۳، الإصابة، ۳/۲

۳۱۔ معارفة الصحابة، ترجمه رقم ۳۸، ۱۵۲، الرسالة المستطرفه، ص/۷۶

۳۲۔ الإصابة، ۱۵۰/۱، ۳۷۲،

۳۳۔ الفهرست، ص/۲۸۶، تاريخ التراث العربى، ۲۲۲/۱، مكتبة أحمد الثالث باسطنبول، رقم (۲۶/۶۲۳) فی ۱۹ لوحة،

۳۴۔ طبع بتحقيق د، عبدالغفار سليمان البندارى، والعيد بن هيونى رغلول، ۱۴۰۸ھ، دارالكتب العلمية، بيروت

۳۵۔ جامع المسانيد، ۱۵۶/۲

۳۶۔ معرفة الصحابة، ترجمة رقم ۲۸۸، جامع المسانيد، ۱۳۹/۱

۳۷۔ الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، طبقات الحفاظ، ص/۲۵۳

۳۸۔ جامع المسانيد، ۴۳/۱

۳۹۔ جامع المسانيد، ۱۵۶/۱

۴۰۔ طبع بتحقيق الشيخ/ عماد الدين احمد حيدر، نشرته مؤسنة الكتب الشقافيه فى بيروت سنة ۱۴۰۶ھ

۴۱۔ جامع المسانيد، ۳۱/۱

۴۲۔ تذكره الحفاظ، ۵۹۶/۲، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۳، الرسالة المستطرفة، ص/۱۳۰، مرارد الخطيب، ص/۱۳۸

۴۳۔ جامع المسانيد، ۵۵/۳

۴۴۔ جامع المسانيد، ۸۶/۱

۴۵۔ جامع المسانيد، ۶۳/۱، الإ صابة ۳/۱، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، فتح المغيث، ۸۳/۳، الرسالة المستطرفة، ص/۱۳۶،

۴۶۔ الإصابة، ۱/۳، فتح المغيث، ۸۴/۳

۴۷۔ الإصابة، ۱/۳، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، فتح المغيث، ۸۴/۳

۴۸۔ الاستيعاب، ۲۳/۱

۴۹۔ الاستيعاب، ۲۳/۱

۵۰۔ الإصابة، ۱/۳، فتح المغيث ۸۴/۳

۵۱۔ الإصابة ۱/۳، فتح المغيث، ۸۵/۳، الرسالة المستظرفة ص/۱۳۶

۵۲۔ المعجم المفهرس ۳۱۵/۱، معجم المؤلفين، ۶۰/۴، فهرس مخقوطات الظاهرية، ص/۱۷۸، تاريخ التراث العربى، ۲۸۲/۱

۵۳۔ الإستيعاب، ۲۴/۱

۵۴۔ فتح المغيث ۸۴/۳

۵۵۔ فتح المغيث ۱۲۰/۳

۵۶۔ فتح المغيث ۱۲۰/۳

۵۷۔ كشف الظنون ۱۲۷۵/۲

۵۸۔ تذكرة الحفاظ ۸۵۸/۳، طبقات الحفاظ، ص/۳۵۲، تاريخ التراث العربى، ۳۴۳/۱

۵۹۔ معرفة الصحابة، ترجمة رقم ۵۱، جامع المسانيد، ۲۱۸/۲

۶۰۔ تذكرة الحفاظ، ۹۳۷/۳، الإصابة ۱/۳، الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۷

۶۱۔ الإصابة ۱/۳، فتح المغيث ۸۴/۳، الرسالة المستطرفة ص/۱۲۷، تاريخ التراث العربى ۳۰۹/۱

۶۲۔ تاريخ التراث العربى ۳۲۳/۱

۶۳۔ جامع المسانيد، ۹۲/۱. ۱۸۸/۳

۶۴۔ تذكرة الحفاظ، ۳۹۰/۳، الرسالة المسترطفة ص/۱۳۵

۶۵۔ الإعلان بالتربيخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۶

۶۶۔ تاريخ التراث العربى ۳۴۱/۱

۶۷۔ تاریخ التراث العربی ۱/۳۴۳

۶۸۔ الإصابة ۱/۳، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۷، اسد الغابة ۱/۱۰، سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۳۳، الإصابة ۱/۳، الإعلان بالتربیخ، ص/۹۵، الرسالة المسترطفة ص/۱۲۷، تاریخ التراث العربی ۱/۳۵۴، فہرست مکتبہ عارف حکمت (بخط الاله الکانبة) ص/۱۹،

۶۹۔ الرسالة المسترطفة ص/۱۳۶

۷۰۔ طبقات الحفاظ ص/۳۵۲، الرسالة المستطرفة، ص/۱۰۵

۷۱۔ توجدمنه نسخة مخقوطه کاملة فی مکتبة احمد الثالث باسطنبول تحت رقم ۴۹۷، بعنوان، طبقات الصحابة، وطبع جزء من اول الکتاب بتحقیق د، محمد راضی بن حاج عثمان فی ۱۴۰۸ھ، فی ثلاثة اجزا،

۷۲۔ منهاج السنة ۴/۵۳، سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۴۵۶، تذکرة الحظاظ ۴/۱۰۹۷، طبقات الشافعیة ۴/۲۲، طبقات الحفاظ، ص/۴۲۳، کشف الظنون ۲/۱۲۷۶، الرسالة المستطرفه ص/۵۸،

۷۳۔ الإعلانبالتوبیخ ص/۹۵، طبقات الحفاظ، ص/۴۲۴، الرسالة المستطرفه ص/۵۱

۷۴۔ الإصابة ۱/۳، الرسالة المستطرفه ص/۲۰۳، الرسالة المستطرفه ص/۴

۷۵۔ الرسالة المستطرفه ص/۱۳۶

۷۶۔ اسد الغابة ۱/۱۰، الإصابة ۱/۴، فتح الباری ۱/۳۲۳

۷۷۔ طبقات الحفاظ ص/۳۸۲

۷۸۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۷۹۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۳، وأنبه هنا أن بعض هذه المصنفات لا یختص بالصحابة، بل اشتمل علی،

۸۰۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۸۱۔ الرسالة المستطرفه ص/۲۰۴

۸۲۔ تدریب الراوی ۲/۲۰۸، کشف الظنون، ۱/۱۰۶، الرسالة المستطرفه ص/۱۵۳، انظر، کتاب بحرث فی تاریخ السنة . د. اکرم ضیاء العمری

۸۳۔ صدیقی محمد سعید، مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق ص/۲۶

۸۴۔ ابن حجر، شهاب الدین ابن الفضل احمد بن علی، العسقلانی، تهذیب التهذیب حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ه، ج/۹، ص/۱۸۲

۸۵۔ ابن اثیر کے حالات زندگی مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا۔

الف۔ الموسوعه العربیه السیره ص/۹

ب۔ الجزری، عزالدین ابن اثیر، اللباب فی تهذیب اانساب، بغداد ج/۱، ص/۲.۵

ج۔ الجزری، مبارک بن محمد اثیر، جامع الاصول من احادیث الرسول (بیروت ۱۹۸۰) ج/۱

د۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور ۱۹۸۰ء) ج/۱، ص/۳۱۸

۸۶۔ مقدمہ تہذیب الکمال از ڈاکٹر بشار عداد معروف، ۱/۵۱۔۷۱

۸۷۔ تہذیب الکمال، ۱/۱۷۴

۸۸۔ نیل الاوطار، شوکانی ۷/۲۶۲،

تمت بالخیر

گیارہواں اصول: علم تاریخ ہے

کہا جاتا ہے کہ علم تاریخ دیگر علوم کی بنسبت اتنا قدیم ہے جتنا خود انسان یعنی انسانوں کے ساتھ اس علم کا آغاز ہوتا ہے، لیکن میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ علم انسان سے بھی زیادہ قدیم ہے، جیسا کہ قرآنی قصص تاریخ آدم اور تخلیق کائنات کے تذکرہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے تحریری تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود تحریر۔

لغوی و اصطلاحی تعریف: تاریخ History سے مراد دن، رات، مہینے یا کسی چیز کے ظہور کا وقت یا ایسا فن یا کتاب ہے جس میں مشہور افراد و حکمرانوں، روایات قصوں اور جنگوں کے حالات کا بیان ہو(۱) جوہری کہتے ہیں، تاریخ وقت کی تعریف کا نام ہے اور توریخ کا بھی یہی مفہوم ہے، اس کا مادہ اُرخ ہے۔ بمعنی نئی چیز نوزائیدہ۔(۲)

تاریخ کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں۔ التاریخ حریف الوقت، والتوریخ مثلہ۔(۳) تاریخ وقت کو پہچاننے کا نام ہے اور توریخ بھی اسی طرح ہے۔ یعنی انسان جس علم کے ذریعہ "وقت" اور حوادث وقت و زمانہ کو پہچانے وہ علم تاریخ کہلاتا ہے۔ لفظ تاریخ اردو اور عربی میں مشترکہ لفظ ہے اور اصلی وضع کے اعتبار سے عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کی ادائیگی کے لئے اردو میں کوئی مخصوص لفظ نہیں ہے۔ بلکہ اس لفظ کو اردو میں منتقل کر لیا گیا ہے۔

تاریخ کے لغوی مفہوم کی وضاحت کے بعد علم التاریخ کی اصطلاحی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تاریخ کے اصطلاحی معنی عربی انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

هو قصة ماضى انسان او هو عرض منظم مكتوب للاحداث و خاصة تلك التى نو ترقى امة او نظام او

علم او فن۔ (۴)
تاریخ ماضی کے انسان کا قصہ بیان کرنے کو یا اس منظم معروض کو کہتے ہیں جو ان خصوصی واقعات کے متعلق ہو کہ جو کسی امت، نظام، علم یا فن میں امتیازی حیثیت رکھتے ہوں۔

آگے چل کر موسوعہ ایک مزید شرط کا اضافہ کرتا ہے کہ محض کسی وقت و زمانہ کے واقعات کو من و عن نقل کر دینا تاریخ کی تعریف پر پورا نہیں اترتا بلکہ:

بل یسمی الی ایضاح اسباب هذه الاحداث و دلالاتها (۵)
بلکہ تاریخ کا نام اس وتیقہ کو دیا جائے گا کہ جس میں بیان کردہ واقعات کے اسباب اور نتائج کا بھی ذکر ہو۔

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں یہ تعریف بیان کی گئی ہے۔ انسانی حظا پذیر شہادت و فہم کے مطابق قصہ ہائے پارینہ کا زیادہ صحت کے ساتھ بیان تاریخ کہلاتا ہے۔ (۶)

علم تاریخ کی پہلی تعریف پر غور کیا جائے تو ہمیں تاریخ کے متعدد شعبوں کا علم ہوگا۔ جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ماضی کے انسان کا قصہ اور اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا بیان۔
۲۔ کسی قوم کے امتیازی حیثیت کے حامل چند واقعات۔
۳۔ کسی نظام کی چند امتیازی خصوصیات
۴۔ کسی علم کی حدود و غایات
۵۔ یا کسی فن کی تاریخ
۶۔ یہ تمام معروضات ایک منظم شکل میں مربوط انداز میں کی گئی ہوں، یعنی ایسے غیر مربوط واقعات جو یا تو تحریری شکل میں موجود نہ ہوں یا موجود ہوں تو انتشار و افتراق کا شکار ہوں اور ربط و ارتباط سے یکسر محروم ہوں، تاریخ کہلانے کے مستحق نہیں۔

یعنی ایک مورخ کا فرض یہ ہے کہ وہ واقعات کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان واقعات کا تنقیدی نظر سے جائزہ بھی لے، ان واقعات و حوادث کے اسباب بھی بیان کرے

اور نتائج سے بھی غالب تاریخ کو آگاہ کرے۔ تاکہ استفادہ کرنے والے لوگ ماضی سے اس بات کا علم حاصل کر سکیں کہ اقوام سابقہ کے حالات کیسے گزرے اگر اچھی حالت و کیفیت میں گزرے ہیں تو اس کے اسباب اور پس منظر میں حالات کیا تھے، اور اگر وہ مادی و روحانی طور پر پسماندہ زندگی گزارتے رہے تو اس کے اسباب کیا تھے؟ تاکہ آنے والی قوم اچھے نتائج کو پیدا کرنے والے اسباب کو اختیار کرنے کی کوشش کرے اور تباہی پر منتج ہونے والے اسباب سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھے۔(۷)

تاریخ کی اقسام فوائد و مآخذ: ڈاکٹر صادق علی گل نے تاریخ کی بہت سی اقسام بیان کی ہیں، سوانحی، سیاسی، معاشی، جنگی، مذہبی، تمدنی، فلسفی، سائنسی (۸) وغیرہ جس سے تاریخ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاریخ سے عظیم لوگوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور انسان انہی جیسا بننا چاہتا ہے۔ انسانی شعور و آگاہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وسعت فکر و نظر پیدا ہوتی ہے۔(۹) بعد میں عام مؤرخین اپنی تاریخ کی تدوین کے لئے جن مآخذ سے استفادہ کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں جس میں سے اہم مآخذ پرائیویٹ و سرکاری دستاویزات۔ معاہدات و منشورات، سرکاری اعلانات، خط و کتابت، سفرنامے، سوانح عمریاں، تذکرے، وصیت نامے، وقائع، چارٹ وغیرہ شامل ہیں۔(۱۰)

قرآن اور تاریخ: قرآن کی رو سے علم کے تین ذرائع ہیں، یعنی تین اہم مآخذ ہیں، ا۔علم بایولوجی، ۲۔علم بالحواس، ۳۔علم بالتاریخ یہی وجہ ہے قرآن نے تاریخ کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما او حینا الیک

ھذا القرآن وان کنت من قبلہ لمن الغافلین۔(۱۱)

ہم آپ کے سامنے عمدہ قصے بیان کرتے ہیں اس قرآن کی وحی کے دوران، جبکہ اس سے قبل آپ اس سے بے خبر تھے۔

دوسری جگہ فرمایا

فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (۱۲)

ان کے سامنے (تاریخی) قصہ بیان کرو تاکہ غور کریں، اس میں عبرت

ونصیحت ہے عقلمندوں کے لئے (۱۳)

ان اقوام سابقہ کے قصص کو اس لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ آپ اور آپ ﷺ کی امت آگاہ ہو جائے کہ امم سابقہ میں سے کون لوگ صالح و متقی تھے، اور کون فساق و فجار تھے اور ہر دو طبقہ کا انجام کار کیا ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے:

لقدکان فی قصصھم عبرۃ لاولی الباب ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل کل شیئی و ھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون (۱۴)

(ان انبیاء و امم سابقین) کے قصہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے، یہ قرآن جس میں یہ قصے ہیں کوئی تراشی ہوئی بات تو نہیں ہے۔ (کہ اس میں عبرت نہیں ہوتی) بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔

فرعون کے غرور و تکبر کو، حضرت موسیٰ سے بغاوت و نافرمانی کو اور اس کے رب الاعلیٰ کے نام نہاد اعلان کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ ولاولی ان فی ذالک لعبرۃ لمن یخش (۱۵)

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے، جو (اللہ تعالیٰ) سے ڈرے۔

معلوم ہوا کہ قرآن اقوام سابقہ کی تاریخ اس وجہ سے نقل کرتا ہے کہ اہل ایمان غفلت سے بیدار ہو کر سبق حاصل کریں کہ کن اقوام نے اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا طریقہ اختیار کیا اور اسے اس کی کیا جزا ملی؟ اور کن اقوام نے اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت اور سرکشی کا طریقہ اختیار کیا اور اس پر انہیں کیا سزا ملی، تاکہ اہل ایمان ان

اعمال کو اختیار کریں، جن کی بنا پر اقوام سابقہ کو انعام و اکرام سے نوازا گیا اور اعمال فاسقہ و فاجرہ سے بچیں جن کی بنا پر اقوام سابقہ عذاب وغضب الٰہی کا نشانہ بنیں۔

چنانچہ تاریخ میں جو معرفت وقت کا نام ہے، کے حاصل کرنے کی غرض و غایت اور اس کا مقصود یہی ہونا چاہئے کہ انسان کی آنکھیں، دل و دماغ سبق عبرت حاصل کریں۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں تاریخ کی فضیلت اس بنیاد پر ثابت کرتے ہیں۔

وفي باطنه نظر و تحقيق و تحليل للكائنات و مباديها الرفيق و علم بكيفيات الوقائع و اساليبها عبق فهو لذالک اصل فی الحكمة عريط (١٦)

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو تاریخ میں تحقیقی نظریات بھی ہیں اور کائنات کے لطیف علل و مبادی بھی اور اسی طرح واقعات کی کیفیات و اسباب کا گہرا علم بھی ہے۔ اس لئے تاریخ کی فلسفہ و حکمت میں گہری جڑیں ہیں اور یہ اس لائق ہے کہ اسے علوم حکمت میں شمار کیا جائے۔

یعنی ابن خلدون کے نزدیک تاریخ محض واقعات کو نقل کر دینے کا نام نہیں بلکہ ان واقعات کے اسباب و علل کا جائزہ بھی مورخ کا فرض ہے۔

سیرت کا تاریخ سے تعلق: جیسا کہ آپ نے مطالعہ کیا، تاریخ کی بنیاد راوی ہے جس کی وجہ سے علم رجال وجود میں آیا، اسی طرح سیرت بھی ایک حیثیت میں تاریخ ہے اس لئے کہ تاریخ کے دائرہ میں سوانح بھی داخل ہے۔ جو کتابیں تاریخ اسلام والمسلمین کے حوالہ سے مرتب کی گئی ہیں ان میں سے اکثر کا ابتدائی حصہ یا درمیانی حصہ سیرت طیبہ ﷺ پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے اصول سیرت میں سے ایک اصول تاریخ کو قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ مثلاً طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت پر ہیں۔

۲۔ المعارف لابن قتیبہ دیگر انبیاء کے ساتھ ہمارے نبی کا نسب نامہ و کوائف ہیں۔

۳۔ المحبر بن حبیب میں آپ ﷺ کی سیرت اولاد، ازواج، غزوات و خلفاء کا ذکر ہے۔

۴۔ تاریخ طبری میں سیرت کا مواد موجود ہے؟

۵۔ تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر . کی پہلی جلد سیرت پر ہے۔

۶۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم میں بھی سیرت النبی ﷺ ہے۔

۷۔ المختصر فی اخبار الشبر خلاصه الکامل لابن الاثیر

۸۔ البدایة والنهایة لابن کثیر تقریباً ۷۰۰ صفحات کے مواد پر مشتمل ہے۔

۹۔ تاریخ الاسلام محمد حسین ذھبی جلد اول سیرت پر مشتمل ہے۔

سیرت نگار تاریخ کی مدد سے سیرت طیبہ کی کڑیاں باہم مربوط کر سکتا ہے اور سیرت کو زیادہ نکھار کر پیش کر سکتا ہے۔ مثلاً ہجرت حبشہ پر لکھنے والا اسی وقت حق ادا کرے گا جب وہ حبشہ کے حکمرانوں، حبشہ کی تاریخ اہل حبشہ کے مذاہب وغیرہ سے استفادہ کر کے لکھے گا اور یہ مواد سیرت سے نہیں بلکہ تاریخ سے ملے گا۔

عرب میں تاریخ کا تدوینی ارتقاء: مورخ کی سب سے اولین شرط تو یہ ہے کہ جس وقت و زمانہ کے حالات و حوادث پر وہ تاریخ مرتب کر رہا ہے۔ ان حالات کا بخوبی علم رکھتا ہو۔ اور اگر اس کا علم مشاہداتی ہو تو تاریخ کی ترتیب میں اس کی تحقیق و توثیق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ ان واقعات کو دیانتداری سے نقل کرے۔ مؤرخ کی دوسری شرط جو تاریخ کی تعریف کے ضمن میں بھی آئی وہ یہ ہے کہ ایک مورخ محض واقعات کا علم اور اس کو نقل کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو، بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ وہ ان واقعات کے اسباب پس منظر اور وجوہات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو، اور پھر ان کے عواقب و نتائج سے بھی بنظر عمیق آ گاہ ہو اور ان کو نقل بھی کرے۔(۱۷)

مورخ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جس زمانہ کے حالات و واقعات تحریر کر رہا ہے اس زمانہ کی اور اس زمانہ میں زندگی گزارنے والوں کی ثقافت، تمدن اور تہذیب پر پوری دسترس رکھتا ہو اور اس پر منظر میں ان کے حالات کا جائزہ لے۔ یعنی محض حالات نقل کر دینا، پھر اس پر تنقید کر دینا اور نتیجہ و محاکمہ تنقید قائم کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ مورخ کی تنقید، اس وقت زیادہ قابل فہم معلوم ہوتی ہے جب وہ اس قوم کے تمدن و معاشرت سے آ گاہ ہو۔(۱۸)

تاریخ عرب اور تاریخ اسلام کے حوالہ سے بہت بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے زمانہ جاہلیت میں متداول کتابوں کے ناموں سے ہم ناآشنا ہیں۔ بعض مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک عالم قدیم کتابوں کو پڑھایا، جمع کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں سزگین سے استفادہ کرتے ہوئے جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے مذکورہ کتابوں میں خانہ کعبہ کی تاریخ بھی ہوتی تھی، جس سے ایک بڑے مورخ وہب بن منبہ (۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء یا ۱۱۴ھ) نے بھی استفادہ کیا تھا۔ (۱۹) اس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اہل مکہ کعبہ کے نقوش (کتبات) کی اپنی تاریخ میں اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور یمنیوں، یہودیوں اور عیسائی راہبوں کی مدد سے ان کو سمجھا کرتے تھے۔

اگرچہ اسلام نے علم تاریخ کے ذوق کو نئے آفاق سے آشنا کیا تھا، لیکن عربوں کا زمانہ جاہلیت کی تاریخ اور واقعات سے شغف کم نہ ہوسکا۔ بہت سے کبار صحابہؓ عالم انساب تھے۔ اسی طرح بہت سے تابعین، جنہوں نے مغازی اور فتوح اسلامیہ پر کتابیں لکھی تھیں، ماہر انساب تھے۔

مقام افسوس ہے کہ سیرت نگاری میں قدیم عرب کی تاریخ اور دوسرے علوم کا تذکرہ سرسری سا ہوتا ہے۔ اس بارے میں قدیم ترین کتابوں کے نام یہ ہیں "اخبار الیمن واشعار ھا وانسابھا"، عبید بن شریۃ الجرھمی کی "کتاب الامثال" ، صحار کی "کتاب الامثال" اور زیاد بن ابیہ (م ۵۳ھ/ ۶۷۳ء) کی "کتاب المثالب"

قدیم ترین کتب، مثلاً ابن اسحاق کی کتابوں "اخبار کلیب و جساس اور حرب البسوس بین بکر تغلب" اور ابن لکلبی کی "کتاب النسب" سے امید ہے کہ قدیم عرب کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ ہوسکے اور آخری اموی دور کے علمائے کبار کی تصانیف سے ہم شناسا ہوسکیں۔

دور حاضر میں ایک تابعی خراش بن اسماعیل الشیبانی کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ تفصیلی اور گہری نہیں ہیں، جن سے محمد بن سائب الکلبی نے اپنی کتاب "اخبار ربیعہ وانسابہا" میں بہت سی روایتیں درج کی ہیں۔

اسی طرح حانی بن المنذر الکلاعی سے منسوب ایک کتاب "نسب حمیر" ہے جو ابن یونس (م ۳۴۷ھ/ ۹۵۸ء) کا مآخذ رہی ہے۔ (۲۰)

مسلمانوں کا تاریخ عالم سے اشتغال، اگر چہ ابتدائی حالت میں تھا، لیکن یہ اہتمام تفسیر القرآن، سیرت النبی ﷺ اور آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اسلام لانے والے یہودی فضلاء مثلاً عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار خلق عالم اور انبیاء سابقین کے بارے میں قرآنی قصص کی تشریح وتفصیل بیان کیا کرتے تھے۔ اس موضوع کے متعلق عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار سے منسوب بہت سی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں، اگر چہ ان کی اصلیت محل نظر ہے، پھر بھی کتب معازی اور قدیم تفسیروں میں جن تک ہماری رسائی ہوسکی ہے، ان نو علم یہودی فضلاء کی بہت سی آراء شامل ہیں۔ کعب الاحبار خود بھی مصنف تھے اور علمائے سلف ان کی کتابوں سے آشنا تھے۔

کعب گوناگوں علوم و معارف میں دسترس رکھتے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب سمیت بہت سے مسلمانوں کے لئے جو عرب قدیم کے حالات سننے کے شائق تھے، معلومات کا ماخذ ومنبع تھے۔ کعب کے بعد دوسری نسل کے مسلمانوں کے لئے وہب بن منبہ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے۔ وہب بن منبہ نے ایک کتاب، ''کتاب الملوک'' حمیری حکمرانوں کے بارے میں لکھی تھی، جو تاریخ عرب لکھنے کی ابتدائی کوشش تھی، اگر چہ بیان کردہ حالات وواقعات کی بناء پر اس کی تاریخی اہمیت کچھ زیادہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہب بن منبہ نے اس کتاب میں اپنے اسلاف کی کتابیں بھی شامل کردی تھیں۔ آفرینش عالم اور انبیائے سابقین کے بارے میں مرویات بھی تاریخ عالم کی ایک قسم ہے۔ ان کی بعض اقسام سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فتوحات اسلامیہ پر مبنی ہیں۔ (۲۱)

قدیم عربی ماخذ اور ان کے اقتباسات، کے مطالعہ اور تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ ملکوں اور شہروں کی ابتدائی تاریخ اسلامی فتوحات اور جغرافیہ سے وابستہ ہے، اس لئے ان کا مرجع اسلام کا اولین زمانہ ہے، الازرقی (م ۲۲۲ھ/ ۸۲۷ء) کا بیان ہے کہ مورخ وہب بن منبہ (م ۱۰۰ھ/ ۸۲۸ء) نے کعبہ کی تاریخ کے لئے ایک قدیم کتاب سے استفادہ کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض اہل علم کعبہ کی تاریخ میں دلچسپی رکھتے تھے اور اسلام سے کچھ عرصہ پہلے بعض اہل مکہ نے یمنیوں اور یہودیوں سے کہا تھا کہ وہ کعبہ پر لکھی ہوئی عبارتیں پڑھ کر سنا دیں۔

عہد اسلام میں بعض مکرر روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب تاریخ و

جغرافیہ سے شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے بعض علمائے انساب جو ایام عرب کے بھی واقف کار تھے کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ وہ قبائل عرب کے بارے میں ایک رپورٹ مرتب کر دیں اور پتھر لگا کر حرم مکی کی حد بندی کر دیں۔ المسعودی نے کتب تاریخ کے آغاز تالیف کے بارے میں لکھا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک معاصر ''حکیم'' کو لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عربوں کو ان شہروں کا حاکم بنایا ہے اور وہاں سکونت عطا کی ہے، اس لئے ان شہروں کے مکمل حالات لکھ کر بھیج دیے جائیں۔ اس پر حکیم نے شام، مصر، حجاز، عراق، خراسان اور فارس کے بارے میں تمام تفصیلات لکھ بھیجیں، اسی طرح حضرت عمرؓ نے فاتح قادسیہ کو حکم دیا کہ وہ قادسیہ کے حالات لکھ بھیجیں۔ (۳۴۹ھ) کراتشوفسکی نے ان روایات کی اصالت کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ قدیم ترین اور اہم ترین تحریریں مسلمانوں کے تاریخی اور جغرافیائی ذوق کی شہادت دیتی ہیں۔

اسی بارے میں بصرہ کی رپورٹ جو زیادہ بن ابیہ (م ۵۳ھ/۶۷۲ء) نے حضرت عثمان بن عفان کے لئے تیار کی تھی۔ جغرافیہ اور تاریخ دانوں کے حلقوں میں ایک عرصے تک متداول رہی۔ یاقوت الحموی نے بھی اس رپورٹ سے استفادہ کیا تھا جو زکریا یحییٰ الساجی (م ۳۰۷ھ/۹۲۰ء) نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

حضرت سبعی (م ۱۹ھ/۶۴۰ء) کے زمانے میں بھی مشہور ومعروف تھیں اور خود انہوں نے بھی ایک کتاب نفس موضوع پر لکھی تھی۔ الواقدی نے اموی عہد میں لکھی جانے والی بعض کتب الفتوح کے مولفوں کا ذکر کیا ہے، جن سے اس نے فائدہ اٹھایا ہے۔

موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء) اور عبید اللہ بن ابی جعفر (م ۱۲۵ھ/ ۷۵۱ء) نے اموی عہد میں تاریخ مصر پر کتابیں لکھی تھیں۔ عمر بن محمد بن یوسف الکندی نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے مآخذ کے ضمن میں ''کتب فضائل مصر'' کا بھی حوالہ دیا ہے، البتہ یہ معلوم نہیں انہوں نے ''فتوح مصر''، ''اخبار مصر'' اور ''فضائل مصر'' وغیرہ کتابوں سے کب استفادہ کیا تھا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب فضائل کا تاریخ اور جغرافیہ سے گہرا تعلق تھا۔ کراتشنسکی نے تو عربوں کے ہاں کتب فضائل کو جغرافیہ کی ابتدائی کتابوں میں شمار کیا

ہے۔ اس بارے میں میں قدیم ترین کتاب ''فضائل مکہ'' حضرت حسن البصری (م ۱۱۰ھ/ ۸۲۸ء) سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ موضوع کے اعتبار سے مرتبہ ایک حدیث کی کتاب جس میں مختلف شہروں کے فضائل مذکور ہیں۔ اس قسم کی ایک کتاب ''کتاب الفرائض'' مرتبہ حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ/ ۷۷۸ء) ہے، جس میں ایک باب ''فضل المدینہ'' پر بھی ہے۔(۲۲)

اسلامی دور میں قدیم شاعری کے تحفظ اور اس کو زمانے کی دست و برد سے بچانے کے لئے علماء کی کدوکاوش حضرت عمرؓ بن الخطاب کی مساعی کی مرہون منت ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبۃ (م ۵۰ھ/ ۶۷۰ء) کو لکھا تھا کہ وہ شاعروں سے یہ دریافت کریں کہ انہوں نے ظہور اسلام کے بعد سے کیا کیا لکھا ہے یا نظم کیا ہے۔(۲۳) مزید برآں انصار کے کلام کی جمع و تدوین حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔ امثال عرب اور مثالب عرب کی تدوین بھی فاروقی عہد حکومت کی یادگار ہے اور ان کا مجموعہ اشعار عرب سے کہیں زیادہ ہے۔

حماد الرادیہ نے بعض جاہلی شعراء کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا بہت بڑا حصہ تاریخ الطبری (۱//۱۰۱-۱۰۱۹) اور کتاب الآغانی (۲/ ۱۰۵ - ۱۲۷، مطبوعہ دارالکتب) میں شامل ہیں۔ ابوعمر الرہبی (جو اموی دور میں زندہ تھا) نے دو شاعروں۔ حاجز الازدی اور ثابت قطینہ کے حالات لکھے تھے، ان کے اقتباسات کتاب الاغانی، مطبوعہ بولاق، ۱۶/ ۷۵-۷۶) میں پائے جاتے ہیں۔ قدیم مآخذوں میں ایسی بہت سی کتابوں کے نام اور ان کے اقتباسات ملتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کے مولفوں کے نام نہیں ملتے، جن سے ابوالقاسم آمدی (م ۳۷ھ/ ۹۸۰) نے اپنی کتاب ''المؤتلف'' میں استفادہ کیا تھا۔

مشہور ہے کہ ثقافت کی تاریخ پر قدیم ترین اور اہم ترین کتاب، یونس الکاتب کی کتاب الآغانی ہے۔ ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق یہ کتاب بڑی ضخیم تھی۔(۲۴)

عہد اسلامی کے ابتدائی مؤرخین: تاریخ کا ذخیرہ جن راویان کے توسط و روایت سے تدوین کے مراحل تک پہنچا ہے تاریخ کے متعدد راویان وہی ہیں جو تفسیر، حدیث اور